قیمت: چار روپے

انٹرنیشنل
مِلّی ٹائمز
نئی دہلی

اُردو کا پہلا بین الاقوامی ہفت روزہ

اس شمارے میں

- ☆ آئندہ ایک سال مسلمانوں کے لئے انتہائی مخدوش
- ☆ ایمرجنسی کے بیس سال بعد بھی ترکمان گیٹ کا زخم ہرا ہے
- ☆ راؤ حکومت کے "کامیاب" چار سال - مسلمان ہمیشہ یاد رکھیں گے
- ☆ قطر میں تختہ پلٹ کیوں ہوا... ایک تفصیلی رپورٹ
- ☆ رشدی کے خلاف آیت اللہ خمینی کا فتویٰ برقرار
- ☆ "بھاگلپور کا فساد مسلم غنڈوں نے کروایا تھا"... انکوائری کمیشن کے چیرمین کا ارشاد گرامی
- ☆ مسلم پرسنل لا کی مخالفت کرنے والوں کو ہندو خواتین پر ہو رہے مظالم کیوں نظر نہیں آتے؟
- ☆ برطانیہ کے چھوٹے پاکستان سے طوائفوں کو بزور طاقت نکال دیا گیا
- ☆ اے سانپوں کا زہر ہے بنا نیند نہیں آتی... ایک دلچسپ اور حیرت انگیز رپورٹ

اس کے علاوہ دیگر اہم موضوعات اور مستقل کالم

مایا کو پھولن کا چیلنج؟

مسلمانوں کے ساتھ مایاوتی کا فریب

AUSTRALIA	A$3.50	DENMARK	D. KR. 14.00	ITALY	LIT. 3,000	NEWZEALAND	NZ$4.95	SRILANKA	Rs 40
BANGLADESH	Taka 20	FRANCE	Fr 10	JAPAN		NORWAY	N. KR12.00	SWEDEN	Kr 15
BELGIUM	Fr 70	FINLAND	F.MK 10.00	KOREA	W 1.800	PAKISTAN	Rs. 15	SWITZERLAND	Fr 3
BRUNEI	B$4.50	GERMANY	DM3.50	MALAYSIA	RM 3.00	PHILIPPINES	P 25	THAILAND	B 40
CANADA	C$3.50	HONGKONG	HK$15.00	MALDIVES	Rf 12.00	SAUDI ARABIA	SR 3	U.K.	£ 1.30
CHINA	RMB 12.50	INDONESIA	RP 3,400 (INC PNN)	NETHERLANDS	G 3.30	SINGAPORE	S$2.50	U.S.A.	US $ 3.00

وشو ہندو پریشد آزاد ـــــ پھر یاترائیں نکلیں گی پھر فساد ہوں گے؟

آئندہ ایک سال مسلمانوں کے لئے انتہائی مخدوش

وشو ہندو پریشد پر دوبارہ لگی پابندی ختم ہوجانے کے بعد پریشد کے لیڈروں نے خطرناک تیور دکھانا شروع کردیا ہے۔ عام انتخابات سے قبل پابندی کا ہٹنا بلاشبہ بی جے پی کے لئے مفید ثابت ہوگا۔ انتخابی مہم کو جذباتی رنگ دینے کے لئے جس حکمت عملی کی ضرورت ہے اس پر پریشد پورا اترنے کی اہلیت رکھتی ہے۔ اب جبکہ وہ آزاد ہوچکی ہے تو اس کے لئے انتخابی مہم کو مذہبی جذبات انگیزی کا خول چڑھانا آسان ہوگیا ہے۔ بی جے پی اور وشو ہندو پریشد کے لئے ایک آسانی یہ بھی ہوگئی ہے کہ اترپردیش میں مایاوتی کی یا بالفاظ دیگر بی جے پی کی حکومت چل رہی ہے۔ "ہندو" لیڈروں کا خیال ہے کہ "رام مندر، وشوناتھ مندر اور کرشن مندر" کی تعمیر کی راہ میں روڑہ بننے والی ملائم سرکار کے خاتمے کے بعد ایک بڑی رکاوٹ دور ہوگئی ہے اور اگر اس موقع پر وہ کوئی تحریک شروع کرتے ہیں تو انہیں روکنے ٹوکنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ انتخابی مہم کو موثر ڈھنگ سے چلانے کے لئے بی جے پی کے لئے ضروری ہے کہ وہ منافرت کا ماحول پیدا کرے۔ وشو ہندو پریشد کو اس میں مہارت حاصل ہے۔ اس لئے اس نے رتھ یاتراؤں کے نکالنے کا اعلان کیا ہے۔ شمال کے ہندوؤں کو یاتراؤں کے ذریعے ورغلانے کی تیاری ہے تو جنوب کے ہندوؤں کو دیوی دیوتاؤں کے نام پر راغب کرنے کی کوشش ہورہی ہے۔ چونکہ جنوب میں دیوتاؤں کو ہندو سماج میں اہم مقام ہے اس لئے جنوب کی انتخابی مہم کو دیوی دیوتا مہم بنانے کی پلاننگ ہے۔

ایکتا یاترائیں ملک کے نو گوشوں سے نکالی جائیں گی۔ نیپال کی راجدھانی کھٹمنڈو میں بھی یاترائیں جائیں گی۔ نیپال میں سابق کمیونسٹ حکومت کے پیش نظر پریشد کا خیال ہے کہ نیپال دنیا کا واحد ہندو ملک ہے اس کے باوجود وہاں کمیونسٹ سرکار بن گئی گویا نیپال میں ہندوتو کے تحفظ کی اشد ضرورت ہے۔ یہ تمام یاترائیں ناگپور کے نزدیک رام ٹیک کے مقام پر اختتام پذیر ہوں گی۔ نو بڑی ایکتا یاتراؤں کے علاوہ ڈیڑھ سو مزید چھوٹی یاترائیں بھی نکلیں گی۔ بی جے پی نے ان پروگراموں پر مصلحت اندیش خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔ اٹھارہ دنوں تک چلنے والی یہ یاترائیں 20 اکتوبر کو ختم ہوں گی۔ ان میں "گئو ماتا۔ گز ماتا اور بھارت ماتا" کا نعرہ بھی گونجے گا۔ گویا اس سال کے آخر تک ایسا ماحول بن جائے گا کہ بی جے پی اس میں مزید رنگ آمیزی کرکے اسے انتخابی مہم میں تبدیل کرسکے گی

وشو ہندو پریشد کے ساتھ ساتھ بجرنگ دل بھی ماحول کو مخدوش اور فرقہ وارانہ نقطہ نظر سے خطرناک بنانے میں خاصی مہارت رکھتا ہے۔ بجرنگ دل کے سابق صدر ونے کٹیار نے غنڈہ گردی کے بل بوتے پر ہی اپنی امیج بنائی اور پارلیمنٹ کے رکن بن گئے۔ بابری مسجد کی شہادت میں ان کا کلیدی رول رہا ہے۔ کٹیار کی سرگرمیاں ممبر پارلیمنٹ ہونے کی بنا پر تھوڑی تبدیل ہوگئی ہیں اس لئے انہیں بجرنگ دل کی صدارت سے سبکدوش کرکے کسی دوسرے محاذ پر لگا دیا گیا ہے اور اس کی قیادت کی ذمہ داری مدھیہ پردیش کے دلیپ سنگھ پوپا کو سونپ دی گئی ہے۔ یہ حضرت بھی ہنگامہ آرائی اور طوفان بدتمیزی برپا کرنے میں پوری ریاست میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ ان کا تعلق اکھل بھارتیہ ودیارتھی پریشد سے ہے۔ گذشتہ دنوں جب سادھوی رتھمبرا نے بھوج شالا کی ایک عبادت گاہ کو مندر بنانے کے نام پر مہم چھیڑی اور جس کے نتیجے میں ان کی گرفتاری ہوئی تو دلیپ سنگھ پوپا کو سینئر لیڈروں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے کا بہتر موقع مل گیا۔ انہوں نے اس موقع پر کافی اودھم مچایا اور مسلمانوں کے خلاف رتھمبرا سے بھی خطرناک زبان میں ہندوؤں کو متحد ہونے اور "مقابلہ" کرنے کے لئے اکسایا۔ حالات کو کشیدہ بنانے میں ان مہاشے کا بھی زبردست رول رہا ہے۔ اس لئے انہیں بجرنگ دل کی صدارت انعام میں دے دی گئی۔

گویا آئندہ ایک سال فرقہ وارانہ نقطہ نظر سے انتہائی حساس اور مخدوش ثابت ہوں گے۔ ہندو طاقتوں کی کوشش فرقہ وارانہ فسادات کرانے کی بھی ہوگی۔ اگر وہ اس میں کامیاب ہوگئے تو یقینی طور پر ان کے ووٹ بینک میں اضافہ ہوگا خواہ ملک اور عوام کا کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو۔

بی جے پی کے لیڈر کہتے ہیں کہ الیکشن میں

ہم کانگریس کی مسلم نوازی کا بھانڈہ پھوڑیں گے

عام انتخابات کے پیش نظر جہاں کانگریس مسلمانوں کا اعتماد دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کررہی ہے وہیں بی جے پی نے اس کے بقول کانگریس کے مسلم نواز اقدامات کو انتخابی ایشو بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ گذشتہ شمارے میں ہم نے تفصیل سے لکھا تھا کہ کس طرح دہلی پر قبضہ کرنے کے لئے بی جے پی یکساں سول کوڈ کا سہارا لے رہی ہے۔ اب بی جے پی کے صدر دفتر سے پارٹی ورکرس کو ایک چھ نکاتی چارج شیٹ جاری کی گئی ہے جسے بنیاد بناکر انتخابی مہم چلانے کی بات کہی گئی ہے۔ ان میں یکساں سول کوڈ کے علاوہ جو نکات ہیں وہ بھی مسلمانوں سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کو بنیاد بناکر مسلمانوں کو نہیں بلکہ کانگریس کو نشانہ بنانے کی تیاری کی جارہی ہے۔

مقصد اس کا یہ ہے کہ بی جے پی ایک طرف اپنی مسلم دشمن امیج کو چھپائے رکھے اور دوسرے کانگریس پر مسلمانوں کی خوشنودی حاصل کرنے کا الزام لگا کر ہندوؤں کو یہ بتائے کہ کانگریس حکومت صرف مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے کام کررہی ہے۔ ہندوؤں کو یکسر نظرانداز کیا جارہا ہے۔ اس لئے ہندوؤں کو چاہئے کہ وہ ایک جٹ ہوکر بی جے پی کو ووٹ دیں تاکہ اس روایت کا خاتمہ کیا جاسکے۔

چارج شیٹ میں ایرانی صدر کے دورہ لکھنؤ، پاکستانی صدر کی حریت کانفرنس کے رہنماؤں سے بات چیت، ٹاڈا کو ختم کرنے کا ان کا مطالبہ حاجیوں کو مرکزی حکومت کی جانب سے مالی تعاون اماموں کو حکومت کی جانب سے تنخواہ دینے کا متوقع معاملہ، ٹاڈا کی جگہ پر کسی دوسرے قانون کے نہ بننے اور سپریم کورٹ کی طرف سے یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کی ہدایت پر حکومت کی چشم پوشی جیسے معاملے درج ہیں۔

اس میں کہا گیا ہے کہ رفسنجانی کو اس کی اجازت کیسے دی گئی کہ وہ ایک مخصوص فرقہ کو خطاب کریں اور پاکستانی صدر فاروق احمد لغاری کو حریت رہنماؤں سے گفتگو کی اجازت کیوں دی گئی۔ حاجیوں کو مرکز کی جانب سے 240 ملین روپے سبسڈی دینے کے فیصلے کو بھی بی جے پی چیلنج کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ جب ہندو تیرتھ یاتریوں یہاں تک کہ پشوپتی یاترا پر جانے والوں کو حکومت کی طرف سے کوئی فنڈ نہیں دیا جاتا تو حاجیوں کو دینے کا کیا جواز ہے؟ اماموں کو حکومت کی طرف سے تنخواہ دینے کا معاملہ بھی پرزور انداز میں اٹھانے کی تیاری ہورہی ہے۔ بی جے پی کے مطابق حکومت ہندو مذہبی پیشواؤں کو تنخواہ کیوں نہیں دیتی۔

بی جے پی کا خیال ہے کہ مذکورہ اقدامات حکومت نے محض مسلمانوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کو صرف مسلمانوں سے دلچسپی ہے ہندوؤں سے نہیں۔ لہٰذا ہندوؤں کو چاہئے کہ وہ بی جے پی کو ووٹ دیں تاکہ حکومت کی "مسلم نوازی" کا سلسلہ ختم کیا جاسکے۔

کانگریس کی جانب سے پندرہ نکاتی

پروگرام کے مردہ جسم کا طواف شروع

کانگریس نے عام انتخابات کی تیاری شروع کردی ہے۔ کانگریسی ورکر اپنے صدر کی ہدایت کے بموجب انتخابی مہم میں جٹ گئے ہیں۔ عوامی رائے ہموار کرنے والے بھی مصروف ہوگئے ہیں۔ جہاں کانگریس اپنے چار سالہ دور حکومت کی "کامیابیوں" سے عوام کو روشناس کرانے کی مہم چلارہی ہے وہیں مسلمانوں سے ووٹ مانگنے کا جواز بھی تلاش کیا جارہا ہے۔ اس کے لئے اس پندرہ نکاتی پروگرام کے مردہ جسم کا طواف شروع کردیا گیا ہے جو اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے ترتیب دیا گیا تھا اور جسے 1991ء کے عام انتخابات میں کانگریسی منشور میں نمایاں مقام حاصل تھا۔ فائلوں کے انبار میں سے پندرہ نکاتی پروگرام کی فائل بڑے سلیقے سے نکالی گئی ہے۔ اس کا مطالعہ کیا جارہا ہے اور جلد ہی مسلمانوں کو یہ مژدہ جاں فزا سنایا جائے گا کہ کانگریس نے گذشتہ چار سالہ دور میں مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے کیا کیا خدمات انجام دی ہیں۔

لیکن کانگریس کے پندرہ نکاتی پروگرام کی فائل کے ساتھ ساتھ ایک اور فائل مرکزی حکومت کے دفاتر میں ابھی تک گرد کھا رہی تھی۔ اب یہ فائل بھی پہلی فائل کے ساتھ نکل آئی ہے۔ کانگریسی اس فائل سے خوفزدہ ہیں۔ کیونکہ پندرہ نکاتی پروگرام کے تعلق سے وہ جو بھی دعوی پیش کریں گے یہ فائل اس کا پردہ فاش کرے گی اور دروغ بیانی کی قلعی کھول دے گی۔ مسلم یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر سید حامد، جموں و کشمیر حکومت کے مشیر آر۔ کے سعید اور اترپردیش و بہار سے متعلق مزید تین افراد پر مشتمل ایک کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں پندرہ نکاتی پروگرام کی ناکامیوں کی تفصیل پیش کی ہے۔ یہ کمیٹی پندرہ نکاتی پروگرام کی عمل آوری کا جائزہ لینے کے لئے تشکیل دی گئی تھی۔ پروگرام میں تعلیم، روزگار، تربیتی ٹریننگ اور اقلیتوں میں اعتماد پیدا کرنے پر زور دیا گیا تھا جبکہ رپورٹ کے مطابق ان میں سے کسی بھی شعبے میں کوئی کام ہوا ہی نہیں ہے

سید حامد کا کہنا ہے کہ سروے کے دوران پتہ چلا کہ کئی ریاستوں کی حکومتوں کو اس سلسلے میں کوئی معلومات ہی نہیں بہم پہنچائی گئی۔ جس کی بنا پر ان میدانوں میں مسلمان شیڈول ٹرائب اور کمزور طبقات سے بھی پیچھے نظر آئے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ حیرت انگیز طور پر بہار کی حکومت نے بھی اقلیتوں سے متعلق پروگرام پر عمل نہیں کیا۔ لالو یادو نے مسلمانوں کو تحفظ فراہم کرنے کے علاوہ کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ 61 اضلاع میں جہاں کہ مسلمان قابل لحاظ تعداد میں ہیں ان کی فلاح و بہبود سے متعلق کوئی کام نہیں کیا گیا۔ رپورٹ کے مطابق اقلیتوں کے روزگار سے متعلق کوچنگ اور پولی ٹیکنک اور کرافٹ اسکول کے قیام پر بھی عمل نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ 1968ء میں پارلیمنٹ کے ذریعہ پاس ہوئی نئی تعلیمی پالیسی کا بھی نفاذ نہیں ہوا۔

کمیٹی کے ایک دوسرے ممبر کا کہنا ہے کہ کمیٹی کی سفارشات پر کوئی توجہ نہیں دی گئی اور نہ ہی انہیں زیر بحث لایا گیا۔ حالانکہ اس سلسلے میں کئی بار یاد دہانی بھی کروائی گئی لیکن کوئی اثر نہیں ہوا۔ سید حامد نے مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کا ذمہ دار مسلم قیادت کو بھی ٹھہرایا اور کہا کہ آزادی کے بعد مسلم قیادت نے مسلمانوں کی تعلیم کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ جبکہ پسماندگی کی اصل وجہ تعلیم کی کمی ہی ہے۔

”جو کچھ ہوا اس سے خوش نہیں ہوں لیکن مجھے تو یہ کرنا ہی تھا“

قطر میں امریکہ کے اشارے پر بیٹے نے باپ کا تختہ پلٹ دیا

ایک غیر خونی انقلاب میں جزیرہ نمائے عرب کی چھوٹی سی ریاست قطر کے شہزادے اور ولیعہد شیخ حماد بن خلیفہ الثانی نے اپنے والد کو اقتدار سے بے دخل کرکے خود اقتدار پر قبضہ کرلیا ہے۔ قومی ٹیلی وژن پر ایک مختصر 90 سیکنڈ کی تقریر میں انہوں نے کہا کہ ”جو کچھ ہوچکا ہے میں اس سے خوش نہیں ہوں لیکن یہ ہونا تھا اور مجھے یہ کرنا تھا“۔ شہزادے نے یہ تقریر 27 جون کو اقتدار پر قبضہ کرنے کے چند گھنٹے بعد کی۔ قطر کے دارالحکومت دوحہ میں بظاہر لوگوں نے اس تبدیلی کو قبول کرلیا ہے۔ خود شاہی خاندان کے ممتاز افراد نے بھی شیخ حماد کو نئے امیر کے طور پر قبول کرکے ان کے تئیں اپنی وفاداریوں کا اظہار کردیا ہے۔ ملک کی شوریٰ نے بھی شیخ حماد کی امارت کی تصدیق کردی ہے۔

قطر کے اندر بظاہر امن ہے۔ لیکن معزول امیر شیخ خلیفہ بن حماد الثانی نے، جو معزولی کے وقت جنیوا میں تھے، نئی تبدیلی یا اپنی معزولی کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے نئے امیر یا اپنے صاحبزادے کو ”گنوار“ یا Ignorant کہا ہے اور اس عزم کا اظہار کیا ہے کہ وہ اب بھی امیر ہیں اور قطر ہر قیمت پر لوٹیں گے۔

اقتدار پر قبضہ کرنے کا ارادہ کرنے کے بعد شیخ حماد نے کابینہ کا اجلاس بلاکر اسے خطاب کرتے ہوئے اپنے اقدام کی یہ توجیہ پیش کی کہ ملک کے حالات اس تبدیلی کے متقاضی تھے۔ انہوں نے مزید کہا ”خدا جانتا ہے کہ اس طریقے سے میں اقتدار محض اقتدار کی محبت کی وجہ سے نہیں حاصل کر رہا ہوں۔ بلکہ یہ ایک بڑی ذمہ داری ہے اور میں خدا سے دعاگو ہوں کہ وہ ہماری رہنمائی کرے“۔

قطر 1971ء میں برطانوی فوجوں کے انخلاء کے بعد آزاد ہوا تھا۔ 1972ء میں معزول امیر شیخ خلیفہ بن حماد نے اپنے چچا کو اسی طرح اقتدار سے بے دخل کردیا تھا جیسا کہ ان کے بیٹے نے ان کے ساتھ کیا ہے۔ معزول امیر ایک ہفتہ قبل مصر اور تیونس کے سرکاری دورے پر گئے تھے اور اس کے بعد اپنی ذاتی حیثیت میں سوئزرلینڈ چلے گئے تھے۔ اپنی معزولی کی خبر سننے کے بعد انہوں نے پریس کو ایک نوٹ جاری کیا جس میں انہوں نے دعویٰ کیا کہ ”میں اب بھی شاہی خاندان، عوام اور فوج کا امیر ہوں اور ہر قیمت پر وطن واپس لوٹوں گا“۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ خلیجی تعاون کونسل کے باقی پانچ ممبر ممالک کے سربراہوں سے ان کا رابطہ قائم ہے۔ ان کے بقول ان ممالک کے سربراہوں اور دوسرے عرب حکمرانوں نے ان کی حمایت اور شہزادے کے اقدام کی مذمت کی ہے۔

لیکن امریکہ، سعودی عرب اور خلیجی ممالک نے نئی حکومت کو تسلیم کرلیا ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ اس انقلاب کے پیچھے امریکہ کا ہاتھ ہے۔ وہ قطر میں فوجی اڈہ قائم کرنا چاہتا تھا جس کی اجازت نہیں دی جارہی تھی۔ کچھ دنوں قبل وہاں امریکی اڈہ قائم ہوگیا ہے۔

ظاہر ہے قطر میں ایک بے یقینی کی صورت حال پیدا ہوگئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلیجی تعاون کونسل کے سب سے بااثر ممبر ہونے کی وجہ سے سعودی عرب نے اس مسئلے کو سلجھانے کی کوشش بھی شروع کردی ہے۔ سفارتی ذرائع کے مطابق سعودی عرب کی درخواست پر قطر کے وزرائے خارجہ و داخلہ معزول امیر سے ریاض یا کسی اور مقام پر ملاقات کرنے والے ہیں۔ آئندہ کیا ہوتا ہے اس کے بارے میں آئندہ شمارے ہی میں کچھ لکھا جاسکے گا۔

انقلاب کے بعد حکمراں خاندان کے افراد پارلیمنٹ جاتے ہوئے اور انسیٹ میں نئے حکمراں عوام سے خطاب کرتے ہوئے

اقتدار پر قبضہ کرنے کے فورا بعد نئے امیر شیخ حماد بن خلیفہ نے بین الاقوامی ائرپورٹ بند کردیا تھا۔ لیکن دوحہ میں حالات کو نارمل دیکھ کر اسے فورا کھول دیا گیا۔ نئے امیر نے یہ بھی کہا ہے کہ دوسرے ملکوں سے تعلقات اور معاہدات وغیرہ پہلے کی طرح قائم رہیں گے اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔

قطر پر الثانی خاندان کی حکومت ہے جس کے مرد ممبروں کی تعداد 2600 بتائی جاتی ہے۔ خواتین کی تعداد کا پتہ نہیں لیکن مرد ممبروں کی تعداد سے ان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ملک کی فوج 10 ہزار افراد پر مشتمل ہے جس میں سے ایک ہزار فضائیہ، ایک ہزار بحریہ اور بقیہ بری افواج سے وابستہ ہیں۔ 18 لڑاکا طیاروں کے علاوہ قطر کے پاس میزائل بھی ہیں جو اس نے امریکہ اور فرانس سے خریدے ہیں۔

قطر تیل کی دولت سے مالا مال امیر ملک ہے۔ فی کس سالانہ آمدنی اندازا 22 ہزار ڈالر ہے۔ ملک میں تیل کا ذخیرہ اندازا تین بلین سات سو ملین بیرل ہے۔ قطر اوپیک کا ممبر ہے اور اس تنظیم کے مطابق 1995ء کے پورے سال کے لئے تیل کی پیداوار اور برآمد کے لئے اس کا کوٹہ 3 لاکھ 78 ہزار بیرل یومیہ ہے۔ ویسے قطر کو امید ہے کہ 1990ء کی دہائی کے خاتمے تک وہ پانچ لاکھ بیرل یومیہ پیداوار کی صلاحیت حاصل کرلے گا۔ حال ہی میں قطر میں گیس کے بڑے ذخائر کا پتہ چلا ہے۔ روس اور ایران کے بعد قطر گیس کے ذخائر کے اعتبار سے تیسرا بڑا ملک ہے۔ قطر یہ گیس برآمد کرنے کے منصوبے پر عمل کر رہا ہے اور اسے امید ہے کہ 1997ء سے گیس برآمد کرنے لگے گا۔

تیل کی قیمتوں میں گراوٹ اور ختم ہو رہے تیل کے ذخائر کی وجہ سے قطر کی معیشت پہلے جیسی بہت اچھی نہیں رہی ہے۔ حکومت نے حال ہی میں بعض ایسے اقدامات کئے تھے جس سے تصرف بیجا کو روکا جاسکے۔ نیز حکومت کو خسارے کا بجٹ بھی پیش کرنا پڑا تھا۔

94-1995ء کے بجٹ میں 970 ملین ڈالر کا خسارہ دکھایا گیا ہے جو گذشتہ سال کے خسارے سے 13 ملین ڈالر زیادہ ہے۔ گذشتہ سال حکومت کی آمدنی 2 بلین اور تین سو ملین ڈالر تھی جب کہ اس نے خرچ کیا تھا تین بلین اور 24 ملین ڈالر۔ رواں سال میں حکومت کو 2 بلین 5 سو ملین ڈالر آمدنی کی امید ہے اور خرچ کا تخمینہ 3 بلین 5 سو ملین ڈالر ہے۔ گویا خسارے کا بجٹ جاری رہے گا۔ ملک میں افراط زر کی شرح 4 فیصد ہے اوپر کے اعداد و شمار سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قطر کی معیشت اچھی حالت میں ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ اگر شاہی خاندان کے اخراجات میں کمی کردی جائے اور ایسے ہی بہت سے غیر ضروری مصارف کو بند کردیا جائے تو قطر نہ صرف خسارے کے بجٹ سے نجات حاصل کرلے گا بلکہ اس کے پاس اضافی رقم (Surplus) بھی آجائے گی جسے وہ دوسرے ممالک میں سرمایہ کاری کے لئے استعمال کرکے مزید رقم کما سکتا ہے۔

حسنی مبارک پر قاتلانہ حملہ کے بعد مصر میں اسلام پسندوں پر مظالم میں اضافہ کا خدشہ

ایتھوپیا کے دارالحکومت عدیس ابابا میں واقع پی ایل او کے آفس کے پاس سے حسنی مبارک کا قافلہ جیسے ہی گزرا دو کاروں نے روڈ کو اچانک بلاک کردیا اور دو مسلح نوجوانوں نے صدر مصر کی گاڑی پر گولیوں کی بارش کردی۔ صدر کی گاڑی کے پیچھے ان کے باڈی گارڈ تھے جنہوں نے فورا پوزیشن لے کر دونوں مسلح حملہ آوروں پر گولیاں چلانی شروع کردیں۔ اسی دوران ایتھوپیا کی پولیس نے بھی حملہ آوروں پر حملہ کردیا۔ گولیوں کے اس زبردست تبادلے میں دونوں حملہ آور ہلاک ہوگئے جبکہ دو ایتھوپیائی پولیس والے بھی ہلاک ہوئے۔ غیر مصدقہ اطلاعات کے مطابق حسنی مبارک کا ایک باڈی گارڈ بھی زخمی ہوا ہے۔ بہرحال حسنی مبارک بال بال بچ گئے۔

حسنی مبارک عدیس ابابا افریقی اتحاد تنظیم کی سربراہ کانفرنس میں شرکت کے لئے آئے تھے۔ وہ ایرپورٹ سے سیدھے کانفرنس ہال جارہے تھے کہ ان پر گھات لگاکر حملہ کیا گیا۔ حسنی مبارک اور دوسرے لوگوں کے مطابق حملہ آور دو سے زائد تھے لیکن باقی حملہ آور فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ ان کی تلاش جاری ہے۔ بہت سے مشتبہ لوگوں سے ایتھوپیا کی پولیس پوچھ تاچھ کر رہی ہے۔ حکومت نے مفرورین کا پتہ دینے والوں کو بھاری انعام دینے کا بھی اعلان کیا ہے۔

حسنی مبارک اس حملے کے فورا بعد قاہرہ لوٹ آئے اور ان کی جگہ مصری وزیر خارجہ عمرو موسیٰ نے کانفرنس میں شرکت کی۔ قاہرہ ایرپورٹ پر اترنے کے بعد حسنی مبارک نے نامہ نگاروں سے بات کرتے ہوئے سوڈان پر الزام لگایا کہ حملہ آور اسی ملک سے ہوکر عدیس ابابا پہنچے ہوں گے۔ انہوں نے مزید کہا کہ سوڈانی حکومت مصر سے تعلقات بہتر بنانا چاہتی ہے مگر اخوانی لیڈر حسن ترابی اس کے خلاف ہیں۔ حسنی مبارک یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ ان پر قاتلانہ حملہ کے پیچھے حسن ترابی کا ہاتھ ہے۔ ترابی کے ایک ترجمان نے اسے نان سینس کہہ کر رد کردیا ہے۔

متوقع طور پر دنیا کے لیڈروں نے اس حملے کی مذمت کرتے ہوئے حسنی مبارک کو مبارکباد دی ہے۔ لیکن اسرائیل نے ایک قدم بڑھ کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس حملے کے پیچھے ایران کا ہاتھ ہے۔ دراصل آج کل اسرائیل ایران کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ کسی طرح عرب دنیا امریکہ و یورپی ممالک کے تعاون سے ایران کو بھی اسی طرح تباہ کردے جس طرح انہوں نے چند سال قبل عراق کو برباد کیا تھا۔ اسرائیل آج کل ایران کو اپنے وجود کے لئے خطرناک تصور کرتا ہے۔

حسن مبارک اسحق رابن کے ہمراہ

مصر کی بعض شدت پسند تنظیموں نے اس ناکام حملے کی تعریف کرتے ہوئے اس عزم کا اعادہ کیا ہے کہ آئندہ بار حسنی مبارک پر کامیاب حملہ کیا جائے گا۔ اس کے برعکس حسنی مبارک نے نام نہاد ”بنیاد پرستوں“ کے خلاف اپنی جدوجہد تیز کرنے کا اعلان کیا ہے۔ گزشتہ تین سالوں سے مصری حکومت اسلام پسندوں کو مختلف انداز سے کچلنے میں مصروف ہے۔ حکومت کے حقوق انسانی ریکارڈ کی بہت سی قومی، علاقائی اور بین الاقوامی تنظیموں نے تنقید کی ہے۔ دراصل بے شمار بے گناہ لوگوں کو شبہے کی بنیاد پر جیلوں میں ٹھونس دیا گیا ہے۔ ان گنت مارے جاچکے ہیں۔ جھوٹے مقدمات میں پھنساکر کتنوں کو پھانسی دی جاچکی ہے۔ حسنی مبارک نے اس عزم کے بعد کہ ”بنیاد پرستوں“ کے خلاف جدوجہد مزید تیز کردی جائے گی اس بات کا اندیشہ ہوچلا ہے کہ مزید لوگ ”ریاستی دہشت گردی“ کا شکار ہوں گے۔

حسنی مبارک 1981ء میں انور سادات کے قتل کے بعد مصر کے صدر ہوئے اور دھاندلی سے تین بار اس عہدے کے لئے منتخب ہوچکے ہیں۔ لحہ بہ لحہ کروٹ لیتے مغربی ایشیا کے حالات نے انہیں موقع دیا کہ وہ ایک بار پھر مصر کو عرب سیاست اور قیادت کا مرکز بنا سکیں۔ لیکن بھاری امریکی امداد کے باوجود ملک کی معیشت کافی خراب حالت میں ہے۔ مصر کے اسلام پسند حسنی مبارک کی معاشی، خارجہ اور اسرائیل کے ساتھ امن پالیسی کے خلاف ہیں۔ ان اسلام پسندوں کے خلاف مصری حکومت مظالم ڈھاتی رہی ہے جس سے تنگ آکر ان میں سے بعضوں نے ہتھیار اٹھالیا ہے۔

خاندانی عدالتیں مظلوم ہندو خواتین کے ساتھ انصاف کیوں نہیں کرپاتیں

1987ء میں کرناٹک حکومت نے عورتوں پر مظالم کے معاملات کو جلدی سے نبٹانے کے لئے فیملی کورٹ یا "خاندانی عدالتیں" قائم کی تھی۔ مگر ان نام نہاد خاندانی عدالتوں کی کارکردگی بڑی مایوس کن رہی ہے۔ مزید برآں خود ان عدالتوں کے اندر بھی مظلوم عورتوں کو مردوں کے "زبانی مظالم" کا شکار ہونا پڑا ہے۔ حقوق نسواں کی علمبردار خواتین فیملی کورٹ میں اصلاح کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ حال ہی میں کرناٹک کے وزیر قانون نے اصلاحات کا وعدہ کرنے کے علاوہ ایک اور فیملی کورٹ قائم کرنے کا بھی وعدہ کیا ہے تاکہ مقدمات کو تیزی سے نبٹایا جاسکے۔ موجودہ خاندانی عدالتوں میں چار ہزار کے قریب مقدمات یوں ہی پڑے ہوئے ہیں۔ ایک عدالت تو ایسی ہے جس میں 6 مہینے سے کوئی جج ہی نہیں ہے۔

> ان نام نہاد خاندانی عدالتوں کی کارکردگی بڑی مایوس کن رہی ہے۔ مزید برآں خود ان عدالتوں کے اندر بھی مظلوم عورتوں کو مردوں کے "زبانی مظالم" کا شکار ہونا پڑا ہے۔ حقوق نسواں کی علمبردار خواتین فیملی کورٹ میں اصلاح کا مطالبہ کررہی ہیں۔

فیملی کورٹ میں عام طور سے کام کی رفتار بھی بہت سست ہے۔ بہت سی مظلوم عورتوں نے شکایت کی ہے کہ ایک عام سیشن کورٹ خاندانی عدالتوں سے کہیں زیادہ تیز کام کرتی ہے۔ فیملی کورٹ کی سست رفتاری کی وجہ سے گویا مظلوموں کے زخموں پر نمک پاشی ہوتی ہے۔ ان خاندانی عدالتوں کی نااہلی یا ان کے غیر موثر ہونے کی حال ہی میں کئی مثالیں سامنے آئی ہیں۔

44 سالہ شانتا بائی اپنی دکھ بھری داستاں یوں سناتی ہیں۔ "میرا شوہر مسلسل میری پٹائی کرتا، میری بہن کے ساتھ زنا بالجبر کیا۔ اور میرے بچوں پر تشدد کی دھمکی دیتا تھا۔ شادی شدہ زندگی کے پرتشدد 17 سالوں کے بعد میں نے اس کا گھر چھوڑ دیا اور فیملی کورٹ میں طلاق کے لئے درخواست دی"۔ لیکن جب پانچ مہینے بعد شانتا بائی کی اپیل پر فیملی کورٹ نے کارروائی شروع کی تو اس کے شوہر نے وہاں ایک طلاق نامہ پیش کیا جو اس نے سیشن کورٹ سے اس بنیاد پر حاصل کرلیا تھا کہ اس کی بیوی گھر سے فرار ہے۔ شانتا کے شوہر نے سیشن کورٹ سے یہ کام صرف تین ماہ میں کروالیا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ سیشن کورٹ اسی عمارت میں قائم ہے جس عمارت میں فیملی کورٹ ہے۔

جیالکشمی کی داستان اور بھی دردناک ہے۔ 12 سال تک اپنے شوہر کے مظالم برداشت کرنے کے بعد اس نے فیملی کورٹ میں طلاق کے لئے اپیل کی۔ طلاق تو مل گئی لیکن جو کچھ وہ جہیز میں اپنی سسرال لے گئی تھی وہ آج پانچ سال کے بعد بھی نہیں مل سکا ہے۔ فیملی کورٹ نے اسے بنگلور میں واقع اس کے والدین کے مکان میں جانے سے بھی روک دیا ہے کیونکہ اس پر اس کے سابق شوہر نے اپنی ملکیت کا دعوی دائر کر رکھا ہے۔ اس کے علاوہ اسی فیملی کورٹ نے جیا کے شوہر کو جوابی رٹ داخل کرنے کی بھی اجازت دے دی جس میں اس نے الزام لگایا کہ اس رضاکار تنظیم کی خواتین ممبران جو جیا کی مدد کررہی ہیں، کرپٹ اور بے حیا ہیں۔ وہ پولیس افسران کے ساتھ ہم بستری کرتی ہیں اور سڑک پر کھلے عام پیشاب کرتی ہیں۔ کورٹ کے اندر اس قسم کے گھناونے الزامات لگائے جانے پر "سرگرم خواتین" نے احتجاج کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ کھلے عام ایسے گھناونے الزامات کا مقصد عورتوں کو اپنے حقوق کے لئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے سے روکنا ہے۔

> یکساں سول کوڈ کا مطالبہ کرنے والے اگر واقعی ہندوستانی سماج کو ان بھیانک مظالم سے پاک صاف کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اسلامی قوانین میں تبدیلی کا مطالبہ کرنے کے بجائے خود انہیں ضابطوں کو سماج میں نافذ کرنے کی فکر کرنی چاہئے

اگر یکساں سول کوڈ کا مطالبہ کرتے والے اشخاص اور خواتین سنجیدگی سے غور کریں تو انہیں پتہ چلے گا کہ محض قوانین سے سماجی مسائل کبھی حل نہیں ہوتے۔ پھر حقوق نسواں کی علمبردار ان خواتین سے یہ سوال بھی کیا جاسکتا ہے کہ ہندو عورتوں پر وسیع پیمانے پر ہورہے ان مظالم کے خلاف آواز کیوں نہیں اٹھاتیں حالانکہ اگر کبھی اکا دکا کسی مسلمان عورت کے ساتھ کوئی زیادتی ہوجاتی ہے تو وہ آسمان سر پر اٹھالیتی ہیں اور اسلام کے عائلی نظام پر کیچڑ اچھالنے لگتی ہیں۔ بلاشبہ اسلام کے عائلی نظام کے مسلم سماج میں پوری طرح نافذ نہ ہونے سے خود مسلمان عورتوں کو بعض مسائل کا سامنا ہے۔ لیکن ظاہر ہے یہ بذات خود اسلام کے عائلی نظام میں کسی خرابی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی عدم تنفیذ کی وجہ سے ہے۔ یکساں سول کوڈ کا مطالبہ کرنے والے اگر واقعی ہندوستانی سماج کو ان بھیانک مظالم سے پاک صاف کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اسلامی قوانین میں تبدیلی کا مطالعہ کرنے کے بجائے خود انہیں ضابطوں کو سماج میں نافذ کرنے کی فکر کرنی چاہئے۔ جن مسلم ممالک میں بھی یہ قوانین نافذ ہیں وہاں عورتوں کے خلاف اس نوعیت کے مظالم یا کسی بھی طرح کی زیادتی نہ ہونے کے برابر ہے جو ہندوستان میں عام طور سے سننے اور دیکھنے کو ملتے ہیں۔ سعودی عرب اس کی جیتی جاگتی مثال ہے

پنجاب میں خواتین پر رونگٹے کھڑے کردینے والے مظالم کی بھرمار

گذشتہ چند سالوں میں پنجاب کی سیاسی صورت حال میں بہتری ضرور آئی ہے لیکن جہاں تک عورتوں کے ساتھ برتاؤ کا تعلق ہے تو یہ ریاست اب بھی بہت خطرناک ہے۔ ہر 90 منٹ پر ایک زنا بالجبر، ہر روز جہیز کی وجہ سے ایک عورت کی موت، ہر بارہ منٹ پر ایک عورت کی پٹائی اور ہر گھنٹے پر ایک عورت سے چھیڑ چھاڑ۔ یہ پنجاب کا عام معمول ہے۔ پنجاب حکومت کے شعبۂ سماجی بہبود کا ایک ادارہ انسٹی ٹیوٹ برائے ترقی و مواصلات ہے جس کا صدر دفتر چنڈی گڑھ میں ہے۔ اس ادارے نے ابھی حال ہی میں "پنجاب میں عورتوں کے خلاف مظالم" کے نام سے ایک رپورٹ شائع کی ہے جس کے انکشافات رونگٹے کھڑے کردینے والے ہیں۔ ہر 1219 خواتین میں سے ایک کے ساتھ زنا بالجبر ہوتا ہے۔ ہر 403 خواتین میں سے ایک کے ساتھ چھیڑ چھاڑ ہوتی ہے۔ ہر 454 میں سے ایک خاتون کو ہراساں کیا جاتا اور ہر 3555 میں سے ایک خاتون کو جہیز کے لئے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ یہ رپورٹ ڈاکٹر پرمود کمار اور رینو کا ڈاگر نے تیار کی ہے۔ پولیس کے اپنے ریکارڈ کے مطابق ڈاکٹر کمار نے اعداد و شمار بہت بڑھا چڑھا کر پیش کئے ہیں۔ مگر مذکورہ دونوں ماہرین سماجیات کا کہنا ہے کہ اگرچہ عورتوں کے خلاف مظالم میں سے اکثر کی اطلاع پولیس کو دی جاتی ہے لیکن جب پولیس ڈسٹرکٹ کی سطح پر اعداد و شمار جمع کئے جاتے ہیں تو انہیں نظرانداز کردیا جاتا ہے۔ رینو کا ڈاگر کا کہنا ہے کہ "ہم نے اپنی رپورٹ میں انہیں واقعات کو درج کیا ہے جن کی گاؤں والوں سے تصدیق ہوسکے"۔

> ہر 90 منٹ پر ایک زنا بالجبر، ہر روز جہیز کی وجہ سے ایک عورت کی موت، ہر 12 منٹ پر ایک عورت کی پٹائی اور ہر گھنٹے پر ایک عورت سے چھیڑ چھاڑ۔ یہ پنجاب کا عام معمول ہے۔

رپورٹ سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ بہت سے لوگوں نے کریہہ پنجابی مذاق کے انداز میں پسماندہ ذاتوں کی عورتوں کے ساتھ زناکاری کی حمایت کی۔ "اس طرح ہم ان کی نسل کو برتری دیتے ہیں"۔ یہ ایک عام ریمارک تھا جو دوران تفتیش سننے کو ملا۔ حکومت پنجاب کے مطابق 1994ء کے دوران پوری ریاست میں زنا بالجبر کے صرف 83 واقعات ہوئے لیکن مذکورہ رپورٹ کے مطابق یہ تعداد کہیں زیادہ ہے کیونکہ 5678 واقعات زنا بالجبر کی پولیس میں رپورٹ ہی نہیں کرائی گئی۔ اسی طرح مذکورہ دونوں ریسرچ کرنے والوں کو یہ بھی پتہ چلا کہ عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کے کم از کم 11198 واقعات کی بھی پولیس میں رپورٹ نہیں کی گئی۔ پولیس کے اپنے ریکارڈ کے مطابق 1994ء کے دوران پورے پنجاب میں عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کے صرف تیس واقعات ہوئے۔

چھیڑ چھاڑ سے ذرا کم عورتوں کو تنگ کرنے کے پولیس کے مطابق پورے 1994ء کے دوران صرف تین واقعات ہوئے لیکن رپورٹ کے مطابق ایسے واقعات کی تعداد 27530 ہے۔ رپورٹ تیار کرنے والوں کے مطابق انہوں نے عورتوں کو تنگ کرنے والے صرف انہیں واقعات کو درج کیا ہے جن کی شکایت پنچایت، میونسپلٹی یا کسی غیر سرکاری تنظیم میں درج کرائی گئی۔

جہیز کم لانے پر عورتوں کو ہراساں کرنے والے واقعات اسی وقت سامنے آتے ہیں جب معاملہ سنگین نوعیت اختیار کرچکا ہوتا ہے۔ 1994ء میں پورے پنجاب میں جہیز کی کمی کی وجہ سے پولیس کے مطابق صرف 59 عورتوں کو ہراساں کیا گیا لیکن رپورٹ کے مطابق 17640 ایسے واقعات کی پولیس میں رپورٹ ہی نہیں درج کرائی گئی۔

> ہر 1219 خواتین میں سے ایک کے ساتھ زنا بالجبر ہوتا ہے۔ ہر 403 خواتین میں سے ایک کے ساتھ چھیڑ چھاڑ ہوتی ہے۔ ہر 454 میں سے ایک خاتون کو ہراساں کیا جاتا اور ہر 3555 میں سے ایک خاتون کو جہیز کے لئے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔

رپورٹ میں یہ تکلیف دہ انکشاف بھی کیا گیا ہے کہ جب عورتوں کے خلاف مظالم کے واقعات پنچایت یا کسی تنظیم نسواں کے سامنے لائے جاتے ہیں تو بالعموم مظلوم کو انصاف نہیں ملتا۔ اکثر ذات برادری کا فرق انصاف کی راہ میں رکاوٹیں ڈالتا ہے۔ مثلاً اگر ظلم کرنے والا کسی بڑی ذات سے تعلق رکھتا ہے اور مظلوم عورت کسی چھوٹی برادری سے تو پنچایت نہ صرف یہ کہ ایسے واقعات سے صرف نظر کرتی ہے بلکہ اکثر ظالموں کا ساتھ دیتی ہے۔ لیکن اگر ظالم کسی نچلی ذات سے تعلق رکھتا ہے اور مظلوم کا تعلق کسی بڑی ذات سے ہوتا ہے تو پھر وہی پنچایت معاملے سے بڑی سختی کے ساتھ نبٹتی ہے۔

اوپر کی تفصیلات سے یہ بات واضح ہوکر سامنے آتی ہے کہ محض ڈھیر سارے قوانین سے مظالم کی روک تھام ممکن نہیں ہے۔ قانون بلاشبہ ضروری ہے لیکن اسی کے ساتھ افراد کے ذہن و اخلاق کو پاکیزہ بنانا اور ان کی کردار سازی بھی ضروری ہے۔ قانون کی دیانت دارانہ تنفیذ اور کردار سازی کے بغیر ہندوستانی سماج سے عورتوں کے خلاف مظالم جیسے ناسور کا علاج ممکن نہیں ہے۔

بابری مسجد کی شہادت سے چرار شریف کے سانحہ تک

راؤ حکومت "کے کامیاب چار سال" مسلمانوں کو ہمیشہ یاد رہیں گے

وزیراعظم پی وی نرسمہاراؤ اپنی حکومت کے چار سال مکمل کرکے پانچویں سال میں داخل ہوگئے ہیں اور عام خیال یہی ہے کہ یہ پانچواں سال بھی پورا کرلیں گے۔ گویا انہوں نے بھی ایک ریکارڈ بنالیا اور تاریخ میں ان کا بھی نام درج ہوگیا۔ پنڈت نہرو اور اندرا گاندھی کے بعد یہ تیسرے ایسے وزیراعظم ہیں جنھوں نے اتنی طویل مدت تک حکومت کی۔ کمزور شروعات کے ساتھ حکومت کرنے والے راؤ زینہ بہ زینہ طاقتور ہوتے گئے۔ ان کے قدموں کے نیچے کی پلپلی زمین مستحکم ہوتی گئی اور آج صورت حال یہ ہے کہ پارٹی میں ان کا کوئی مدمقابل نہیں اور یہ پارٹی کے بلا شرکت غیرے طاقتور ترین رہنما ہیں۔

1991ء کے انتخابات کے بعد راؤ کو عارضی طور پر کانگریس کا لیڈر نامزد کیا گیا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد اتفاق رائے سے کسی دوسرے کو وزیراعظم بنانے کا فیصلہ ہوا تھا لیکن راؤ کے ہاتھ میں اقتدار کی باگ ڈور جو ایک بار آئی تو ایسی چمٹی کہ ارجن سنگھ اور شرد پوار سمیت دوسرے کئی لیڈر راؤ کو اقتدار کے گھوڑے سے گرانے کی جدوجہد میں اپنی ساری توانائی کھو بیٹھے۔ راؤ کا قافلہ آگے بڑھتا گیا۔ مخالفین پیچھے چھوٹتے گئے۔ آج پوری کانگریس پارٹی میں کوئی لیڈر ایسا نہیں ہے جو راؤ کو چیلنج کرسکے یا ان کے لئے کوئی خطرہ بن سکے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ راؤ کا دور اقتدار ہمیشہ یاد رہے گا بالخصوص مسلمانوں کو۔ مسلمان چاہیں بھی تو انہیں فراموش نہیں کرسکتے۔ حکومت کی طرف سے راؤ کے "کامیاب چار سال" کا خوب ڈنکا پیٹا جارہا ہے اور نہ صرف اہل وطن کو بلکہ پوری دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ راؤ ہندوستان کے کامیاب ترین وزیراعظم ہیں ان کی کامیابیوں کی فہرست اتنی طویل ہے کہ انہیں شمار بھی نہیں کیا جاسکتا۔ بلاشبہ راؤ ایک کامیاب سیاستداں ہیں۔ ایسا نہ ہوتا تو بابری مسجد سے چرار شریف تک کے لاتعداد دھماکہ خیز زلزلوں کے بعد بھی وہ کرسی اقتدار پر جلوہ افروز نظر نہیں آتے۔ اس چار سال کی مدت میں کیسے کیسے جھٹکے نہیں لگے لیکن ان کے پایہ ثبات میں ذرا بھی لغزش پیدا نہیں ہوئی۔

راؤ کے حکومت میں آنے کے بعد مسلمانوں میں ذراسی امید بندھی تھی کہ شاید اب بابری مسجد کا مسئلہ حل ہوجائے۔ ان کے بلند بانگ دعوؤں نے امید کی ایک شمع روشن کردی تھی لیکن کسے خبر تھی کہ امید کی اس شمع سے ایسی آگ بھڑکے گی جو سب کچھ جلاکر خاکستر کردے گی۔ کچھ جہاں دیدہ لوگوں کو تو اسی وقت کھٹک گیا تھا جب آر ایس ایس نے راؤ کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے تھے۔ لیکن مسلمانوں نے بدگمانی کے بجائے خوش گمانی کا دامن تھامے رکھا۔ راؤ بابری

> وزیراعظم نے بابری مسجد کی تعمیر نو کا وعدہ کیا تھا لیکن بجائے اس کے درگاہ چرار شریف نذر آتش کردی گئی۔ کشمیری مسلمانوں کی تباہی و بربادی میں ایک اور باب کا اضافہ ہوگیا۔ نرسمہاراؤ کے پورے چار کے دور میں تخریب ہی تخریب نظر آتی ہے تعمیر کا دور دور تک پتہ نہیں ہے۔

مسجد کے مسئلے پر مسلم قائدین سے بھی ملاقات کرتے رہے اور ہندو لیڈروں سے بھی ملتے رہے۔ مسلمانوں کے دلوں میں رتی برابر بھی یہ شبہ نہیں تھا کہ راؤ کوئی کھیل کھیل رہے ہیں۔ انہوں نے شروعات راجیو گاندھی کے نقش قدم پر چل کر کی۔ راجیو گاندھی نے اجودھیا میں شلانیاس کروایا تھا تو راؤ نے بابری مسجد کے سامنے پہلے رام چبوترہ بنوایا پھر چبوترے کے ساتھ ساتھ تمام پرانے مندروں کو وشوہندو پریشد کی جانب سے گرائے جانے میں معاونت کی۔ حالات دھماکہ خیز ہوتے رہے اور راؤ مسلمانوں کو تسلیاں دیتے رہے یہاں تک کہ لال قلعہ کی فصیل سے بھی تسلی دی اور کہا کہ بابری مسجد کی ہر حال میں حفاظت کی جائے گی۔

بابری مسجد شہید ہونے سے پہلے کے دھماکہ خیز ایام میں انہوں نے بابری مسجد کے تحفظ کی خاطر مرکزی فورس بھیجنے کے بھی اقدامات کئے۔ بعد میں ثابت ہوا کہ وہ فورس سنگھ پریوار کے غنڈوں کی مدد کے لئے بھیجی گئی تھی۔ حالات دھماکہ خیز ہوتے گئے۔ بابری مسجد اور مسلمانوں کے خلاف جارحیت بڑھتی گئی اور راؤ حکومت مسلمانوں کو تھپکیاں دے دے کے سلاتی رہی۔ بالآخر وہ منحوس اور تاریک لمحہ بھی آگیا جب بابری مسجد پر شرپسندوں نے یلغار بول دی اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے شہید کردیا۔ اس زبردست طوفان کے بعد وزیراعظم نے جس طرح عیاری و مکاری سے مسلمانوں کو مطمئن کرنے اور اپنی معصومیت ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

مسلمانوں نے اپنے رد عمل کا اظہار کیا تو پولیس اور ہندوتووادی طاقتیں متحد ہوگئیں۔ حکومت کی پولیس اور سنگھ پریوار و شیو سینا کے غنڈے بابری مسجد کے بعد مسلمانوں کو شہید کرتے رہے، ان کی املاک کو نذر آتش کرتے رہے لیکن حکومت کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی الٹے مسلمانوں پر مقدمات قائم کئے گئے اور انہیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا گیا۔ وہ حالات اتنے پرآشوب اور تکلیف دہ تھے کہ 1947ء کے فرقہ وارانہ فسادات بھی ماند پڑگئے۔ مسلمانوں پر ایک قیامت گزر گئی اور نرسمہاراؤ اپنی معصومیت کا مظاہرہ کرتے رہے۔

بابری مسجد کی شہادت کے بعد بمبئی کے مسلمانوں پر ایک نہیں دو قیامتیں گزریں۔ فسادات کے تھپیڑوں سے وہ نبردآزما بھی نہیں ہوپائے تھے کہ طاقتور بم دھماکوں نے نہ صرف بمبئی بلکہ پورے ملک کو ہلاکر رکھ دیا۔ ایک بار پھر نزلہ مسلمانوں پر گرا اور ان کی تباہی و بربادی کا نیا سلسلہ شروع ہوگیا۔ بم دھماکہ کے ملزموں کو پکڑنے کی آڑ میں پوری مسلم قوم کو نشانہ بنایا گیا۔ راؤ کی کانگریس پارٹی کے وزیراعلیٰ شرد پوار نے مسلمانوں کو سبق سکھانے کے لئے تمام ترحربے اختیار کئے۔ پہلے سے نافذ وحشی قانون ٹاڈا کا اندھا دھند استعمال کیا گیا۔ معصوموں اور بے قصوروں کو ٹاڈا کے تحت اذیتیں دینے کا وہ سلسلہ شروع ہوا کہ الامان و الحفیظ! انسانیت کا اس دھوم سے جنازہ نکالا گیا کہ شیطان بھی شرمندہ ہوگیا ہوگا۔

دریں اثنا نرسمہاراؤ نے اعلان کیا کہ بابری مسجد کی ازسرنو تعمیر کی جائے گی اور تخریب کا جواب تعمیر سے دیا جائے گا۔ تعمیر کے نام پر انہوں نے دو ٹرسٹ بنانے کے عزم کا اظہار کیا اور ہندو شنکر آچاریوں اور سادھو سنتوں کا طواف شروع ہوگیا۔

> ان کے چہرے سے اس وقت ایک بار پھر نقاب سرک گئی جب انہوں نے سوامی بھارتی تیرتھ کو رامالیہ ٹرسٹ میں شامل کیا اور ان کے درشن کرکے ان کی قدم بوسی کی ان کے چرنوں میں اپنا سر رکھ دیا۔

وزیراعظم شنکر آچاریوں سے مل کر انہیں اپنی "حکمت عملی" سمجھاتے رہے۔ ان کے چہرے سے اس وقت ایک بار پھر نقاب سرک گئی جب انہوں نے سوامی بھارتی تیرتھ کو رامالیہ ٹرسٹ میں شامل کیا اور ان کے درشن کرکے ان کی قدم بوسی کی ان کے چرنوں میں اپنا سر رکھ دیا۔ مسلم قائدین سے ان کے انداز تخاطب کا یہ عالم رہا کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اعلیٰ اختیاراتی وفد کو انہوں نے جھڑک دیا اور بورڈ کے ارکان دوبارہ وزیراعظم سے نہ ملنے کا عہد کرکے پی ایم ہاؤس سے واپس آگئے۔

کشمیر کا مسئلہ مزید پیچیدہ ہوتا گیا۔ الیکشن کرانے کا اعلان بھی ہوتا رہا اور بار بار صدر راج کی مدت میں توسیع بھی کی جاتی رہی۔ کشمیری مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ ہوتا رہا اور کشمیری خواتین کی چادر ناموس مسلح دستوں کے ہاتھوں تار تار ہوتی رہی۔ جنگ جوؤں کو گرفتار کرنے کے نام پر بے قصور عوام کو مظالم کے شکنجے میں کسا جاتا رہا اور نوجوانوں کو جنگجو کہہ کر بندوق کا نشانہ بنایا جاتا رہا۔

درگاہ حضرت بل کا فوج نے محاصرہ کرلیا اور ہفتوں تک درگاہ پر غیر یقینی کے بادل منڈلاتے رہے۔ بالآخر مقامی مسلمانوں کی ہوش مندی نے اس بحران کو حل کرلیا لیکن فوج نے دوسرے حضرت بل یعنی چرار شریف کا بحران حل نہیں ہونے دیا۔ حکومت انتظامیہ اور فوج کہتی رہی کہ درگاہ میں کرائے کے ٹٹو پوشیدہ ہیں اور وہ اسے نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ کشمیر کے حالات پر گہری نظر رکھنے والوں کا خیال ہے کہ اس طرح چرار شریف کی تباہی کے لئے فضا سازگار کی جاتی رہی اور بالآخر وہ منحوس گھڑی آگئی جب چرار شریف قصبہ اور درگاہ جل کر خاکستر ہوگئے۔ فوج جنگجوؤں کو مورد الزام ٹھہراتی ہے لیکن حقائق و شواہد فوج کو کٹہرے میں کھڑا کرتے ہیں۔

وزیراعظم نے بابری مسجد کی تعمیر نو کا وعدہ کیا تھا لیکن بجائے اس کے درگاہ چرار شریف نذر آتش کردی گئی، ڈیڑھ دو ہزار مکانات بھی خاکستر ہوگئے۔ کشمیری مسلمانوں کی تباہی و بربادی میں ایک اور باب کا اضافہ ہوگیا۔ نرسمہاراؤ کے پورے چار کے دور میں تخریب ہی تخریب نظر آتی ہے تعمیر کا دور دور تک پتہ نہیں ہے۔ ابھی تو ایک سال باقی ہے اس ایک سال میں مزید کیا کیا گل کھلائے جائیں گے کہا نہیں جاسکتا۔ واقعی راؤ حکومت کے یہ "کامیاب" چار سال مسلمانوں کو ہمیشہ یاد رہیں گے۔

مرکز میں اگلی حکومت کانگریس بی جے پی اور بی ایس پی کی بنے گی؟

اترپردیش میں سیاسی دھماچوکڑی سے اٹھنے والی گرد اب بیٹھ چکی ہے۔ سیاسی منظرنامہ بالکل صاف ہوگیا ہے اور اب جو فضا نظر آرہی ہے وہ یکم جون سے قبل کی فضا سے یکسر مختلف ہے۔ یکم جون سے بیس جون کے درمیان جو واقعات رونما ہوئے، مختلف پارٹیوں کے لیڈروں نے جو رول ادا کئے اور سیاسی اونٹ جس طرح کروٹیں لیتا رہا وہ سب غیر متوقع نہیں تھا۔ یہ ساری سیاسی ورزش عام انتخابات کو مدنظر رکھ کر کی گئی اور سبھی پارٹیوں نے اپنی اپنی حکمت عملی کے تحت اقدامات کئے۔ یوپی میں جو کچھ ہوا اس کے اثرات نہ صرف تادیر قائم رہیں گے بلکہ عام انتخابات ان حالات و واقعات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہیں گے۔

تمام سیاسی پارٹیوں کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ حکومتیں سیاسی تال میل سے بنتی ہیں اور انتخابات سماجی طاقتوں کے اتحاد سے جیتے جاتے ہیں۔ مایاوتی کو وزیراعلیٰ بنوانے میں جو بھی جائز و ناجائز اقدامات کئے گئے وہ اسی فارمولے کے تحت کئے گئے کیونکہ کوئی بھی جماعت ملک کی پہلی دلت حکومت کے قیام میں رخنہ اندازی کا الزام اپنے کندھوں پر لے کر سیاسی خسارے سے دوچار ہونے کو تیار نہیں تھی۔ اس وقت پورے ملک میں بالعموم اور اترپردیش میں بالخصوص جو سماجی تشکیل ہورہی ہے اس کے پیش نظر حکومت کی باگ ڈور اس پارٹی کے ہاتھ میں آسکتی ہے جو دلتوں، پسماندہ طبقوں، دبے کچلے لوگوں اور مسلمانوں کو ساتھ لے کر چلنے کی اہلیت رکھتی ہو۔ اس لئے کسی بھی پارٹی نے یہ تاثر دینے کی کوشش نہیں کی کہ وہ اس کی اہل نہیں ہے۔

باقی صفحہ ۱۷ پر

دو ہزار روسیوں کو یرغمال بنانے کی چیچن مجاہدین کی کامیاب حکمت عملی

روسی فوجیں درندگی روکنے اور گھٹنے ٹیکنے پر مجبور

14 جون کو جنوبی روس کے ایک چھوٹے سے شہر بدینوسک پر اچانک تقریباً دو سو چیچن مجاہدین نے حملہ کردیا۔ انہوں نے ان پولیس والوں کو یا تو گولی مار کر ہلاک کردیا یا قیدی بنالیا جنہوں نے انہیں روکنے کی کوشش کی۔ اس اچانک حملے میں بہت سے شہری بھی ہلاک ہوئے۔ لیکن ان مجاہدین کا بنیادی مقصد لوگوں کو ہلاک کرنا نہیں بلکہ انہیں شہر کے اسپتال میں یرغمال بنانا تھا۔ چیچن مجاہدین نے تقریباً دو ہزار لوگوں کو اپنے تیز اور منظم حملے کے بعد بہت کم وقفے میں یرغمال بنالیا اور روسی حکومت سے چیچنیا میں روسی جارحیت بند کرنے کا مطالبہ کیا۔

چیچن مجاہدین کی قیادت ان کے مشہور کمانڈر شامل بسائیف کر رہے ہیں۔ اب تک شامل اور دوسرے مجاہدین کا جنگ میں جو رویہ رہا ہے یہ حملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ اگرچہ روس نے اپنے جارحانہ حملے میں چیچن شہریوں کو بڑے پیمانہ پر نشانہ بنایا ہے لیکن مجاہدین نے کبھی بھی انتقاماً روسی شہریوں پر حملہ نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ جنرل دوداییف نے کہا ہے کہ انہوں نے اس حملے کی اجازت نہیں دی اور نہ ہی وہ اس طریقہ کار کو پسند کرتے ہیں۔ شامل بسائیف نے بھی اعتراف کیا کہ اس حملے کی انہوں نے اپنے صدر سے اجازت نہیں لی تھی مگر اس کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی چارہ کار نہیں تھا جس سے روسیوں کو جنگ بندی پر مجبور کیا جاسکتا۔ اسی کے ساتھ انہوں نے یہ اصرار بھی کیا کہ وہ اپنے صدر جنرل دوداییف کے پورے طور سے وفادار ہیں۔

شامل بسائیف یرغمالیوں کے ہمراہ

روسی قیادت کا ردعمل متوقع طور پر مذمتی تھا۔ روسی صدر بورس یلتسن نے اپنی فوجوں کی بربریت کو نظرانداز کرکے اسے دہشت گردی قرار دیا۔ وہ حملے کے بعد ہلز تسکی چلے گئے۔ جہاں انہیں سات ترقی یافتہ صنعتی ممالک کی کانفرنس میں شرکت کرنا تھی۔ اس کانفرنس میں انہوں نے پوری کوشش کی کہ ترقی یافتہ ممالک چیچن مجاہدین کو دہشت گرد قرار دے دیں مگر اس میں انہیں ناکامی ہوئی۔ ان کی توقع کے برعکس صنعتی ممالک نے ان پر زور ڈالا کہ وہ چیچنیا میں جنگ بند کر کے مسئلے کو گفتگو کے ذریعہ حل کریں۔

یلتسن کے پیچھے روسی قیادت جو اصلاً روسی وزیراعظم اور وزیر دفاع پر مشتمل تھی اس مسئلے سے نبٹنے کے لئے کسی طریقہ کار پر متفق نہیں ہوسکی۔ وزیر دفاع اس خیال کے حامی تھے کہ ان مجاہدین سے جنہیں انہوں نے دہشت گرد قرار دیا ہے، نمٹنے کا ایک ہی طریقہ ہے یعنی بزور طاقت ان سے یرغمالیوں کو رہا کرالینا۔ اس پالیسی پر عمل کرتے ہوئے سابق کے جی بی اور وزارت داخلہ کی پولیس کے خصوصی دستوں نے اسپتال پر دوبارہ حملہ بھی کیا لیکن ہر بار مجاہدین نے اسے ناکام بنادیا۔ اس حملے کے نتیجہ میں کچھ یرغمالی فرار ہونے میں کامیاب ضرور ہوگئے لیکن سو سے زائد ہلاک ہوگئے۔ ان ہلاکتوں کے بعد ہی روسی قیادت نے ہوش کے ناخن لئے اور شامل بسائیف سے براہ راست گفتگو پر تیار ہوگئی۔ ان ہلاکتوں کے بعد جب چیچن مجاہدین نے بعض یرغمالیوں کو رہا کیا تو وہ اپنے ہی فوجیوں پر گرجنے برسنے لگے۔ انہوں نے الزام لگایا کہ تمہاری گولہ باری سے مجاہدین نہیں بلکہ معصوم یرغمالی ہلاک ہورہے ہیں۔

ناکام خونیں حملوں کے بعد روسی وزیراعظم نے دوبار شامل بسائیف سے ٹیلی فون پر گفتگو کی اور یقین دلایا کہ روس چیچنیا میں اپنے حملے بند کردے گا۔ انہوں نے ابتدائی تامل کے بعد بسائیف کا یہ مطالبہ بھی مان لیا کہ انہیں محفوظ طریقے سے اپنے علاقوں میں واپس ہونے دیا جائے گا۔ اس کا طریقہ مجاہدین نے یہ نکالا کہ وہ بسوں کے ذریعہ چیچنیا کی طرف روانہ ہوں گے اور اپنے ساتھ کچھ یرغمالیوں کو لیتے جائیں گے تاکہ روسی دھوکے سے ان پر حملہ نہ کریں۔ روسی وزیراعظم نے اس سے انکار کردیا اور کہا کہ اگر کوئی رضاکارانہ طور پر جانا چاہے تو جاسکتا ہے۔ اس پر بہت سے یرغمالی تیار ہوگئے۔ اسی کے ساتھ کئی ممبران پارلیامنٹ اور حقوق انسانی کے علمبردار بھی رضاکارانہ یرغمالی بننے کے لئے تیار ہوگئے چنانچہ 19 اور 20 تاریخ کو سارے یرغمالی رہا کردیے گئے اور مجاہدین رضاکار یرغمالیوں کے ساتھ بسوں کے ذریعہ چیچنیا کی طرف روانہ ہوگئے۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ روس چیچنیا میں جنگ بندی کے اپنے وعدے پر کتنی دیر تک قائم رہے گا۔ لیکن اس حملے کے بعد ایک بار دنیا کی نگاہیں پھر سے چیچنیا کے مسئلے پر مرکوز ہوگئی ہیں۔ جہاں روس گذشتہ چھ ماہ سے جارحیت کا ننگا ناچ ناچ رہا ہے۔ روسی اور مغربی ذرائع سے جو خبریں آرہی ہیں وہ بہت ہی دردناک ہیں۔ روسی چیچنیا میں وہی کر رہے ہیں جو اس سے قبل افغانستان میں کرچکے ہیں۔ بلاشبہ آج روسی فوجوں کا میدانی علاقوں اور شہروں پر قبضہ ہے لیکن پہاڑی علاقوں میں مجاہدین کا غلبہ ہے پہاڑوں میں کارروائی مشکل ہے اس لئے روسی وہاں جانے سے ڈرتے ہیں۔ پہاڑوں کے آس پاس کے قصبوں پر جہاں روسیوں کا قبضہ ہے، مجاہدین اکثر حملے کرکے فوجیوں کو ہلاک کردیتے ہیں۔ روسی انتقاماً کسی نہ کسی چیچن گاؤں کو نشانہ بناتے ہیں۔ جس گاؤں پر بھی انہیں شبہ ہوتا ہے کہ

> یہ کہنا مشکل ہے کہ روس چیچنیا میں جنگ بندی کے اپنے وعدے پر کتنی دیر تک قائم رہے گا۔ لیکن اس حملے کے بعد ایک بار دنیا کی نگاہیں پھر سے چیچنیا کے مسئلے پر مرکوز ہوگئی ہیں۔ جہاں روس گذشتہ چھ ماہ سے جارحیت کا ننگا ناچ ناچ رہا ہے۔

باقی صفحہ ۱۲ پر

۱۹ اگست کو ٹائسن رنگ میں اتریں گے

کیا ٹائسن پھر ہیوی ویٹ چمپئن بننے میں کامیاب ہوجائیں گے

"آج کل صرف عبادت اور باکسنگ میرا مشغلہ ہے۔ اس کے علاوہ میں کسی چیز کے بارے میں کچھ نہیں جانتا" یہ الفاظ مائک ٹائسن نے ایک پریس میں اس وقت کہے جب ان سے کہا گیا کہ ہارلیم کے لوگ یا تو ان کے خلاف مظاہرہ کر رہے ہیں یا ان کی تعظیم کے لئے ایک پبلک پریڈ کی تیاری کر رہے ہیں۔ ٹائسن دراصل ایک مقامی ہوٹل میں جو اپنے اچھے اور نفیس کھانوں کے لئے مشہور ہے، ایک پریس کانفرنس سے خطاب کر رہے تھے۔ مقصد عوام کو اپنے آئندہ باکسنگ مقابلہ کے بارے میں اخبار نویسوں کو باخبر کرنا تھا۔ اس کے علاوہ ٹائسن کے شیدائی امریکی سماج میں ان کی شہرت اور مقام و حیثیت کو دوبارہ قائم کرنے کے لئے جو جدوجہد کر رہے ہیں یہ کانفرنس اس سلسلے کی بھی ایک کڑی تھی۔ واضح رہے کہ ٹائسن 19 اگست کو پیٹر میکنیلی سے مقابلہ کرنے والے ہیں۔

پریس کانفرنس میں ٹائسن نے اعتراف کیا کہ وہ نروس ہیں۔ خاص طور سے ڈیزائری واشنگٹن کی عصمت دری سے متعلق پوچھے گئے سوالات کو وہ ٹال گئے اور مختصراً اپنے آئندہ مقابلہ کے بارے میں گفتگو کی۔ انہوں نے کہا کہ گذشتہ چار سال سے کسی پیشہ ورانہ مقابلے میں انہوں نے حصہ نہیں لیا ہے اس لئے وہ آئندہ مقابلے کے لئے سنجیدگی سے تیاری کر رہے ہیں۔

ہارلیم میں واقع اپنے مکان سے ٹائسن جب پریس کانفرنس کے لئے مجوزہ مقام پر پہنچے تو ان کے شیدائیوں نے ان کا زبردست استقبال کیا۔ ان شیدائیوں میں زیادہ وہ سیاہ فام مسلمان تھے جن کا تعلق ایک اسلامی گروہ نیشن آف اسلام سے ہے۔ ان لوگوں نے باقاعدہ ٹائسن کے اعزاز میں ایک پبلک ریلی اور پریڈ کا بھی انتظام کیا تھا۔ مگر اس خبر کے بعد کہ بعض وہ تنظیمیں مظاہرہ کا پروگرام بنا رہی ہیں جو عورتوں پر مظالم ختم کرنے کے لئے کام کر رہی ہیں، ریلی اور پریڈ کا پروگرام منسوخ کردیا گیا۔

مائک ٹائسن اور مدمقابل پیٹر میکینلی درمیان میں باکسنگ پرموٹر ڈان کنگ

اس پریس کانفرنس کے موقع پر ٹائسن نے سادہ سا لباس پہن رکھا تھا اور پہلی بار ان کے چہرے پر فرنچ کٹ داڑھی تھی۔ اس کانفرنس میں جب ایک نامہ نگار نے یہ سوال کیا کہ کیا وہ اپنی پچھلی زندگی پر نادم ہیں تو ان کے منیجر ڈان کنگ نے برجستہ کہا: "نادم، کس بات کے لئے۔ ندامت آخر کس چیز کے لئے"۔ ٹائسن نے اس کے بعد کہا کہ وہ صرف عبادت اور باکسنگ میں خود کو مصروف رکھتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے تفصیل سے اپنے قبول اسلام کی داستان بتائی اور کہا کہ وہ اب کتنا سکون محسوس کرتے ہیں۔

ٹائسن کے اعزاز میں دئے جانے والے استقبالیہ کے لئے جو کمیٹی بنائی گئی تھی اس میں بہت سے معززین اور سیاستداں بھی شروع میں شامل تھے۔ مگر بعض حقوق نسواں کی حامی تنظیموں کی تنقید اور مظاہرے کے بعد وہ اس سے نکل گئے۔ لیکن ٹائسن کے شیدائیوں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا انہوں نے اپنے ہیرو کا شاندار استقبال کیا۔ استقبال کرنے والوں میں زیادہ تر سفید فام مسلمان تھے۔

اس موقع پر ٹائسن مشہور اپولو تھیٹر بھی گئے جہاں انہوں نے بہت سی خیراتی تنظیموں کی مدد کی۔ سیاہ فاموں کی ایک طبی و تعلیمی تنظیم کو انہوں نے ایک لاکھ ڈالر کا چیک دیا۔ اس کے بعد لوگوں کو یہ امید ہو چلی ہے کہ باکسنگ کے علاوہ ٹائسن اب سماجی و خیراتی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے۔

بریڈفورڈ میں پولیس اور نوجوانوں میں خونی ٹکراؤ

برطانیہ کے "چھوٹے پاکستان" سے طوائفوں کو بزور طاقت نکال دیا گیا

برطانیہ کے بریڈ فورڈ کو بعض لوگ "منی پاکستان" کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں بڑی تعداد میں پاکستانی آباد ہیں۔ خاص طور سے میرپوری کشمیری کافی تعداد میں یہاں پائے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ ہندوستان اور بنگلہ دیش سے بھی لوگ اچھی خاصی تعداد میں یہاں آکر آباد ہوئے ہیں۔ ایشیائیوں کی بڑی تعداد ہی کا نتیجہ ہے کہ چند سال قبل شہری کونسل کی چیئرمین شپ محمد عجیب نامی ایک پاکستانی نے حاصل کرلی تھی۔

جون کے آغاز میں بریڈفورڈ میں بڑے پیمانے پر تشدد پھوٹ پڑا۔ دو راتوں تک مسلسل ایشیائی نوجوانوں اور پولیس کے درمیان ٹکراؤ کی کیفیت قائم رہی۔ ان نوجوانوں نے پولیس اسٹیشن پر پٹرول بم سے حملہ کیا۔ بہت سی گاڑیوں اور گھروں کو توڑ پھوڑ ڈالا اور بعض دوکانیں لوٹ لی گئیں۔ تشدد پر قابو اسی وقت پانا ممکن ہوسکا جب پولیس حساس مقامات سے ہٹالی گئی۔ اس واقعے کے بعد سے برطانیہ کے سیاسی حلقوں اور اخبارات میں بریڈ فورڈ کے پرتشدد واقعات موضوع بحث بنے ہوئے ہیں۔

بالعموم مبصرین نے پولیس کو اس سانحے کے لئے موردالزام ٹھہرایا۔ لیکن پولیس کا کہنا ہے کہ یہ حادثہ اس لئے پیش آیا کہ ایشیائی نوجوانوں پر اب ان کے بڑے بزرگوں کا اثر باقی نہیں رہا اور نہ ہی اب ان کا اپنے پرانے خاندانی نظام و تہذیب سے کوئی خاص تعلق رہا ہے۔ لیکن پولیس کی اس توجیہ میں خامی ہے کیونکہ جو چیز تشدد کا باعث بنی وہ بڑی حد تک ایشیائی تہذیب و مذہب ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ ہاں البتہ پولیس کا یہ کہنا کسی حد تک درست ہے کہ ایشیائیوں کی نئی نسل ایک بالکل نئے ماحول اور سماج میں پلی بڑھی ہے مگر یہ نیا سماج انہیں قبول نہیں کرتا جس کی وجہ سے ان میں احساس محرومی پیدا ہوا ہے۔

بریڈ فورڈ کے پرتشدد واقعات کی وجہ سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے چند ان واقعات کا احاطہ کرلیا جائے جو اس تشدد کے پھوٹنے سے پہلے واقع ہوئے۔ بریڈ فورڈ میں ایک علاقہ ہے جس کا نام منگھم ہے۔ اس علاقے میں زیادہ تر پاکستانی اور بنگلہ دیشی رہتے ہیں۔ لیکن یہاں پر کئی برسوں سے غیر قانونی طوائف خانے بھی قائم ہوگئے تھے۔ سفید فام طوائفوں اور ان کے ایشیائی وسفید فام گاہکوں نے علاقے کے شریفوں کا جینا دوبھر کر رکھا تھا۔ اکثر ان میں رات گئے جھگڑے ہوتے اور آپس میں گالم گلوج بھی ہوتی۔ بارہا بچوں کو استعمال کئے گئے کنڈوم ملے، خاص طور سے علاقے کے ایک پرائمری اور دو مڈل اسکولوں کے پاس۔ علاقے کے شرفاء نے اس کے برے اثرات سے اپنے بچوں کو بچانے کے لئے پولیس سے بار بار شکایت کی۔ مگر پولیس اس سنگین معاملے سے برابر چشم پوشی کرتی رہی۔

مگر یہ صورت حال اس وقت مزید سنگین ہوگئی جب ایک برطانوی ٹیلی ویژن کمپنی آئی ٹی وی نے منگھم کی طوائفوں کے احوال پر مشتمل ایک پروگرام TheBedOfGold نشر کیا۔ یہ پروگرام کافی مقبول ہوا۔ مگر اسی کے ساتھ اس علاقے کے رہنے والوں کو اس سے کافی صدمہ پہنچا کہ انہیں قومی سطح پر برے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ چونکہ پولیس شریف شہریوں کی شکایات کو مسلسل نظرانداز کر رہی تھی اس لئے لوگوں نے خود ہی یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنے علاقے کو طوائفوں سے پاک صاف کردیں گے۔ چنانچہ نوجوانوں پر مشتمل ایک رضا کار نگراں ٹیم ترتیب دی گئی جس کا مقصد طوائفوں کو اس علاقے میں گھومنے پھرنے سے منع کرنا یا بزور طاقت بھگانا تھا۔ یہ حربہ کامیاب رہا۔ یاد رہے کہ پاکستانیوں نے یہی حربہ اختیار کرکے برمنگھم میں بھی اپنے علاقے سے طوائفوں کو بھگادیا تھا۔ یہ بات یہاں قابل ذکر ہے کہ پولیس نے دونوں مذکورہ شہروں میں "ایشیائی نگراں گروپوں" کی خاموش مدد کی تھی۔ دراصل پولیس چاہتی تھی کہ لوگ خود ہی اس برائی سے نجات حاصل کرلیں۔

بریڈ فورڈ کے منگھم علاقے کے لوگ بھی اس "نگراں ٹیم" کے کام سے مطمئن تھے۔ لندن سے شائع ہونے والے مشہور اخبار The Times نے اپنی رپورٹ میں ایک پاکستانی علی خان کے درج ذیل الفاظ نقل کئے ہیں جو دراصل اکثریت کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ علی خاں نے کہا "میرے لئے یہ امر باعث رحمت ہے کہ یہ نگراں گروپ یہاں گشت کرتے ہیں۔ پولیس میرے بچوں کو ان نیم برہنہ خواتین کے نظارے سے محفوظ نہیں رکھ سکی جو اسکول کے دروازے پر اکثر گالم گلوج کرتیں یا آپس میں لڑ جھگڑ جاتیں۔ پس میں تو کہتا ہوں کہ ان نگراں گروہوں کو پورا اختیار ملنا چاہئے"۔

حالیہ تشدد یا ایشیائی نوجوانوں اور پولیس کے درمیان تصادم ایک چھوٹے سے واقعے کو لے کر ہوا۔ پولیس نے ایک معمولی نوعیت کی تو تو میں میں کو لے کر "نگراں ٹیم" کے دو ممبروں کو گرفتار کرلیا۔ جب بعض دوسرے نوجوانوں نے مزاحمت کی تو کچھ دھکم دھکا ہوئی۔ اس دوران پولیس نے ایک ایشیائی لڑکی کو ڈھکیل کر ایک کنارے کردیا۔ اور اس کے ساتھ کافی بدتمیزی کی۔ اس واقعے کی خبر مبالغے کے ساتھ جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ اکثر ایشیائی بزرگ بھی اس پر سخت برہم ہوئے اور کتنوں نے تو باقاعدہ اپنے نوجوانوں کو عملی اقدام پر بھی ابھارا۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں دو راتوں تک مسلسل پولیس اور ایشیائی نوجوانوں کے درمیان ٹکراؤ ہوتا رہا۔

اس حادثے کے بعد دو چیزیں خاص طور سے ابھر کر سامنے آئی ہیں۔ اول یہ کہ دوسری اور تیسری نسل کے ایشیائی نوجوان ابھی بھی اپنے مذہب و تہذیب سے وابستہ ہیں اور اپنی بساط بھر وہ اس کی حفاظت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ دوم یہ کہ برطانوی پولیس کافی نسل پرست ہے کیونکہ جس واقعے کو لے کر اس نے ایشیائیوں کے خلاف سخت اقدام کیا وہ اگر کسی سفید فام کے ساتھ پیش آیا ہوتا تو اسے یوں ہی نظرانداز کردیا گیا ہوتا۔ پولیس کی اس نسل پرستانہ ذہنیت کی نشاندہی ان سفید فام ماہرین نے بھی کی ہے جو برطانوی سماج پر گہری نظر رکھتے ہیں۔

ان نوجوانوں نے پولیس اسٹیشن پر پٹرول بم سے حملہ کیا۔ بہت سی گاڑیوں اور گھروں کو توڑ پھوڑ ڈالا اور بعض دوکانیں لوٹ لی گئیں۔ تشدد پر قابو اسی وقت پانا ممکن ہوسکا جب پولیس حساس مقامات سے ہٹالی گئی۔

اس علاقے میں زیادہ تر پاکستانی اور بنگلہ دیشی رہتے ہیں۔ لیکن یہاں پر کئی برسوں سے غیر قانونی طوائف خانے بھی قائم ہوگئے تھے۔ سفید فام طوائفوں اور ان کے ایشیائی وسفید فام گاہکوں نے علاقے کے شریفوں کا جینا دوبھر کر رکھا تھا۔

اسرائیل میں چار ہزار سے زائد یہودیوں کی "ولدیت" مشکوک

اسرائیل میں اس اسکینڈل کے سامنے آنے کے بعد ایک ہنگامہ سا کھڑا ہوگیا ہے کہ ہزاروں ایسے یہودی حرامی ہیں جو سیاست، تجارت اور علم وفن کے میدان میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ مذہبی عالموں کے پاس ایسے حرامی یہودیوں کی ایک خفیہ لسٹ ہے جس میں سردست چار ہزار سے زائد لوگوں کے نام شامل ہیں۔ حال ہی میں ریڈیو اسرائیل کو کسی طرح اس کی ایک کاپی مل گئی ہے۔ اگرچہ ریڈیو نے ابھی تک کسی نام کا انکشاف نہیں کیا ہے مگر اس خبر کے عام ہونے کے بعد اسرائیل میں زبردست احتجاج ہوا ہے۔ کئی لوگوں نے ریڈیو اسرائیل پر الزام لگایا کہ وہ لوگوں کے ذاتی معاملات میں دلچسپی لے رہا ہے جو ان کی Privacy پر حملہ ہے۔ مذہبی امور کے وزیر شمعون شتریت نے اس واقعے کو ایک اسکینڈل سے تعبیر کیا ہے۔

وزیر مذہبی امور اور دوسروں کے احتجاج کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اس لسٹ میں بہت سے بڑے تاجروں، نمایاں سیاسی شخصیات اور فنکاروں کے نام شامل ہیں۔ اس لسٹ میں شامل لوگوں کو یہودی قانون کے مطابق یہودی طرز پر شادی کرنے کا حق نہیں ہے۔ ایسے ہی کتنے لوگوں نے اپنی شادی کا پروگرام بنایا تو انہیں یہودی عالم یا ربی نے یہ کہہ کر اس سے روک دیا کہ وہ ایک حرامی یہودی ہیں۔

جن چار ہزار ایک سو لوگوں کی لسٹ یہودی علماء نے تیار کی ہے ان میں سے سب وہ نہیں ہیں جو اپنی ماؤں کے کسی سے ناجائز تعلق کی وجہ سے پیدا ہوئے یعنی حرامی ہوں۔ بلکہ کتنے ایسے ہیں جو ان حرامیوں کی اولادیں ہیں اور دسیوں پشتوں سے ایسے چلے آرہے ہیں۔ چونکہ ان کی نسل ایک حرامی سے چلی اس لئے یہودی قانون کے مطابق یہ سب حرامی اور ان کی اولادیں بھی حرامی ہوں گی۔ یہودی قانون کے مطابق یہ یہودی کسی دوسرے یعنی غیر حرامی یہودی سے شادی نہیں کرسکتے ہاں البتہ وہ آپس میں شادی کرسکتے ہیں۔ اس یہودی قانون کے مطابق گذشتہ سال ربیوں نے ایک خاتون کی شادی یہ کہہ کر روک دی تھی کہ دو ہزار چھ سو سال قبل اس کے آباو اجداد میں ایک پجاری ہوتے تھے جنہوں نے ایک مطلقہ سے شادی کرنے کی غلطی کی تھی۔ اس طرح اس ڈھائی ہزار سے زائد قدیم "گناہ" کی پاداش میں اس خاتون کو ایک "صاف ستھرے" یعنی غیر حرامی یہودی سے شادی کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

ایسی بہت سی خواتین کو بھی اپنے عاشقوں سے شادی کی اجازت نہیں ہے جنہوں نے اپنے شوہروں سے بے وفائی کی ہے۔ اخبار یروشلم پوسٹ کا کہنا ہے کہ موجودہ چار ہزار حرامیوں کی لسٹ میں اگر اضافہ کیا جائے تو مزید ایک لاکھ سے زائد "مستحق حرامی" اسرائیل میں موجود ہیں۔

اسرائیلی اخبارات نے یہودی عالموں پر الزام لگایا ہے کہ انہوں نے یہ لسٹ اس لئے ریڈیو اسرائیل کو فراہم کی ہے تاکہ وزیر مذہبی امور جناب شتریت مجوزہ اصلاحات کو نافذ نہ ہونے دیں۔ شمعون شتریت ایک سیکولر یہودی ہیں۔ حال ہی میں انہوں نے یہ تجویز رکھی تھی کہ حرامی یہودیوں کی قانوناً مالی مدد کی جانی چاہئے تاکہ وہ قبرص، اردن یا مصر جاکر سول کورٹ میں شادی کرسکیں۔ واضح رہے کہ اسرائیل میں سول میرج کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ ایسا ملک سے باہر کرتے ہیں تو وزارت داخلہ کو اس پر اعتراض نہیں ہوتا۔ اسی اصلاح کو روکنے کے لئے مذہبی عالموں نے حرامیوں کی لسٹ ریڈیو کو فراہم کی ہے۔

شمعون شتریت یہ بھی چاہتے ہیں کہ حرامیوں کی یہ بلیک لسٹ نہ صرف یہ کہ عام نہ کی جائے بلکہ اس میں کوئی دوسرا نام بھی شامل نہ کیا جائے۔ مگر اسرائیل کے سب سے بڑے مذہبی قائد نے کہا ہے کہ انہیں اس لسٹ کو شائع نہ کرنے سے تو اتفاق ہے مگر اس میں نئے ناموں کو شامل کرنے کے فیصلے سے اتفاق نہیں ہے۔

اس یہودی قانون کے مطابق گذشتہ سال ربیوں نے ایک خاتون کی شادی یہ کہہ کر روک دی تھی کہ دو ہزار چھ سو سال قبل اس کے آباواجداد میں ایک پجاری ہوتے تھے جنہوں نے ایک مطلقہ سے شادی کرنے کی غلطی کی تھی۔ اس طرح اس ڈھائی ہزار سے زائد قدیم "گناہ" کی پاداش میں اس خاتون کو ایک "صاف ستھرے" یعنی غیر حرامی یہودی سے شادی کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

ترکمان گیٹ کے مسلمان آج بھی جھیل رہے ہیں

ایمرجنسی کا عذاب

ایمرجنسی کے بیس سال پورے ہونے پر نمائندہ ملی ٹائمز کی رپوٹ

ایمرجنسی میں مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کی علامت دہلی کا ترکمان گیٹ آج بھی زخمی ہے۔ بیس سال قبل کی دلخراش یادیں آج بھی وہاں کے باشندوں کو تڑپنے پر مجبور کررہی ہیں۔ ایمرجنسی کا زخم آج بھی اتنا تازہ ہے کہ مسلمانان ترکمان گیٹ کو وہ کل کا واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ اگر آپ وہاں کے کسی باشندے کے سامنے ترکمان گیٹ کی تباہی و بربادی کا ذکر چھیڑ دیں تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے آپ نے کوئی دکھتی رگ چھودی ہے۔ وہ تڑپ اٹھتا ہے، بے چین ہوجاتا ہے۔ اس کی نگاہوں کے سامنے سنجے گاندھی کی بربریت کا نقشہ کھنچ جاتا ہے۔ گولیوں کی تڑتڑاہٹ اور بلڈوزروں کی گڑگڑاہٹ اس کے کانوں میں گونجنے اور اس کی آنکھوں میں خوف و دہشت کی پرچھائیاں تیرتی دکھائی دینے لگتی ہیں۔

جی ہاں! ایسا ہی کچھ تھا وہ منظر جب اس وقت کے "کراون پرنس" سنجے گاندھی نے ترکمان گیٹ کی مسلم کالونی پر دھاوا بولا تھا، مکانات گرائے جارہے اور مزاحمت کرنے والوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے جارہے تھے۔ اس وقت کے لیفٹننٹ گورنر جگ موہن قریب کے رنجیت ہوٹل سے اس بربادی کی کمانڈ کررہے تھے اور ایک شخص کو خوش کرنے کے لئے ہزاروں افراد کو بے گھر ہونے پر مجبور کررہے تھے۔ جب مسلمانوں کی جانب سے مزاحمت میں شدت آنے لگی تو گورنر نے فائرنگ کا حکم دے دیا۔ مزاحمت کرنے والوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا جانے لگا۔ کتنے مرے اس پر متضاد آراء ہیں۔ ترکمان گیٹ کے باشندوں کے مطابق پچاس افراد تو اس کی نذر ہوئے ہی ہوں گے۔

کرفیو لگ گیا، مسلمانوں کو گرفتار کرکے جیلوں میں ڈال دیا گیا۔ اپنے تباہ شدہ مکانات کے ملبوں پر آہ وزاری کرنے والے مرد و خواتین کو ٹرکوں میں بھر بھر کر تد نگری، شاہدرہ، رنجیت نگر اور ترلوک پوری میں لے جاکر ڈال دیا گیا۔ کہا گیا کہ یہاں تمہیں مکان بنانے کے لئے زمین دی جائے گی۔ وہاں کچھ تھا ہی نہیں سوائے گھاس اور دھول مٹی کے۔ 19 مہینے تک متاثرہ افراد دردر بھٹکتے رہے۔ وہ بھی سڑک پر آگئے تھے جن کا چھوٹا مکان تھا اور وہ بھی بے گھر بار ہوگئے تھے جن کی بڑی بڑی کوٹھیاں تھیں۔ بلڈوزر چلانے کی کارروائی کا یہ جواز پیش کیا جارہا تھا کہ یہاں کثیر المنزلہ فلیٹ بنواکر یہاں کے باشندوں کو الاٹ کیا جائے گا لیکن عام خیال یہ ہے کہ یہاں پر سنجے گاندھی ایک عالیشان پانچ ستارہ ہوٹل تعمیر کروانا چاہتے تھے۔ مختلف علاقوں میں پھینکے گئے مسلمانوں کو 22-22 گز زمین کا ٹکڑا دیا گیا اور کہا گیا کہ یہاں تم اپنے رہنے کے لئے گھر بناسکتے ہو۔

ترکمان گیٹ کا حالیہ منظر

> اگر آپ وہاں کے کسی باشندے کے سامنے ترکمان گیٹ کی تباہی و بربادی کا ذکر چھیڑ دیں تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے آپ نے کوئی دکھتی رگ چھودی ہے۔ وہ تڑپ اٹھتا ہے، بے چین ہوجاتا ہے۔ گولیوں کی تڑتڑاہٹ اور بلڈوزروں کی گڑگڑاہٹ اس کے کانوں میں گونجنے اور اس کی آنکھوں میں خوف و دہشت کی پرچھائیاں تیرتی دکھائی دینے لگتی ہیں۔

ایمرجنسی ختم ہوئی اور جنتا پارٹی کی حکومت بنی، تباہ شدہ مکانات کی جگہ پر کثیر المنزلہ فلیٹ بنوانے کا فیصلہ ہوا اور جنوری 1978ء میں اس وقت کے وزیراعظم مرارجی ڈیسائی نے ان رہائشی فلیٹس کا سنگ بنیاد رکھا۔ 444 فلیٹس کی تعمیر شروع ہوئی اور تین سال کے عرصے میں وہ مکمل ہوگئے۔ چالیس چالیس گز کے فلیٹس بنوائے گئے اور فیصلہ ہوا کہ جو لوگ دوسرے علاقوں میں ڈال دیے گئے ہیں ان کو لاکر آباد کردیا جائے، ان کو فلیٹس الاٹ کردیے جائیں۔ جون 1982ء میں یہ سلسلہ شروع ہوا لیکن اس کے ساتھ زیادتی کا ایک نیا باب بھی کھل گیا۔ ان فلیٹس پر بے گھربار ہوئے لوگوں کو قبضہ دینے کی جگہ انہیں بیچنے یا کرائے پر دینے کا اعلان کیا گیا۔ فلیٹس کے لوکیشن کے اعتبار سے 38 ہزار سے 44 ہزار روپے ان کی قیمت رکھی گئی۔ تین ہزار روپے ماہانہ قسط باندھ دی گئی۔ لیکن ابھی تک یہ رہائشی علاقہ متنازعہ بنا ہوا ہے۔ یہ ابھی بھی ڈی ڈی اے کے قبضہ میں ہے وہ جب چاہے یہاں کے لوگوں کو بے دخل کرنے کی کارروائی شروع کرسکتی ہے۔ لوگوں نے قیمت بھی چکا دی ہے لیکن کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ کاغذات کی رو سے ابھی بھی لوگوں کو مالکانہ حقوق حاصل نہیں ہوئے ہیں۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ سارے لوگ آباد ہوگئے ہوں، بے شمار خاندان ابھی بھی تد نگری، شاہدرہ، رنجیت نگر اور ترلوک پوری میں رہنے پر مجبور ہیں۔ درجنوں فیکٹریاں اور ورکشاپ تباہ ہوگئے تھے جن میں سے محض 17 دوکانیں الاٹ کی گئی ہیں۔ کئی کئی منزلہ عمارتوں کے مکین بھی 40 گز کے فلیٹ میں رہ رہے ہیں۔ لوگوں کا روزگار ختم ہوگیا ہے اور بہت سارے لوگ مزدوری کرنے پر مجبور ہیں۔ کل جو خواتین پرآسائش زندگی گزار رہی تھیں آج گھروں میں کپڑوں کی سلائی کرکے بچوں کا پیٹ پال رہی ہیں۔ ایمرجنسی میں پیدا ہوئی نسل جوان ہوگئی ہے۔ اور وہ بھی اپنے بڑے بوڑھوں کے ساتھ ایمرجنسی کا عذاب جھیل رہی ہے۔

ترکمان گیٹ کی تباہی کا منظر

آج ترکمان گیٹ کی حالت انتہائی بدتر ہے۔ گلیوں میں گندا پانی بہتا ہے اور دروازوں پر کوڑے کرکٹ کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ تعفن نے وہاں کی فضا کو زہر آلودہ بنادیا ہے اور سیور لائین کی ابتر حالت کی بنا پر لوگ گندے پانی میں چلنے پر مجبور ہیں۔ بجلی اور پینے کے پانی کا نظام اتنا درہم برہم ہے کہ نہ تو صاف پانی پینے کو میسر ہے اور نہ ہی بجلی کی دم پردم آنکھ مچولی کے عذاب سے بچا جاسکتا ہے۔ ناجائز کنکشن کی بھرمار ہوگئی ہے جس کی بنا پر کیبل اور تاروں کے جلنے اور ٹرانسفارمر خراب ہونے کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ حکومت بے اعتنائی برت رہی ہے۔ ڈی ڈی اے نے آنکھ بند کر رکھی ہے۔ بیس سال بعد بھی ترکمان گیٹ کے اجاڑے گئے لوگ اجڑی ہوئی زندگی جی رہے ہیں اور ایمرجنسی کا عذاب جھیل رہے ہیں۔

رشدی کے خلاف آیت اللہ خمینی کا فتوی برقرار

حال ہی میں ایسا لگتا تھا کہ رشدی کے معاملے پر ایران اور یورپی یونین کے درمیان کوئی معاہدہ ہوجائے گا لیکن یورپی یونین کے اس ناروا اور متکبرانہ مطالبے نے کہ ایران رشدی کو قتل نہ کرنے کا تحریری وعدہ کرے، معاملے کو بگاڑ دیا ہے۔ ایرانی وزارت خارجہ کے افسروں اور وزیروں نے ماضی میں یہ کہا تھا کہ وہ مرحوم روحانی رہنما آیت اللہ خمینی کے فتوے کو رد تو نہیں کرسکتے ہاں البتہ وہ رشدی کو قتل کرنے کے لئے کوئی خصوصی دستہ بھی نہیں روانہ کررہے ہیں۔ ان بیانات کے بعد یورپی یونین کے رہنماؤں نے بعض مصالحت آمیز بیانات جاری کئے تھے جس سے یہ توقع ہوچلی تھی کہ اس مسئلے پر کوئی ایسا معاہدہ ہوجائے گا جو فریقین کے لئے قابل قبول ہوگا۔

لیکن یورپی یونین نے ادھر یہ مطالبہ کردیا کہ ایران سلمان رشدی کو قتل نہ کرنے اور بین الاقوامی قوانین کی پابندی کرنے کا تحریری عہد کرے تو اس سے تعلقات نارمل ہوسکتے ہیں۔ یورپی یونین گویا ایران سے بہ الفاظ دیگر یہ اعتراف کرانا چاہتی ہے کہ وہ ماضی میں ایک دہشت گرد ملک تھا مگر اب دہشت گردانہ سرگرمیوں سے توبہ کررہا ہے۔ ایرانی سیاستدانوں اور سفارت کاروں میں ایسے "احمق" تلاش کرنے سے بھی نہ ملیں گے جو اس قسم کی کوئی تحریر یورپی یونین کے حوالے کرسکیں۔

رشدی کے معاملے پر یورپی یونین کے نمائندوں اور ایران کے ڈپٹی وزیر خارجہ محمود واعظی کے درمیان پیرس میں 22 جون کو مذاکرات ہوئے تھے جس میں یونین کے لیڈروں نے مذکورہ بالا مطالبہ کیا تھا۔ ظاہر ہے ایرانی وزیر نے اسے فورا مسترد کردیا۔ اس واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے ایرانی پارلیامنٹ کے نائب صدر محمد جاود لاریجانی نے کہا ہے کہ یوروپ بلاوجہ سلمان رشدی کے معاملے کو سیاسی رنگ دے رہا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر انہیں ایران سے اپنے تعلقات کو درست کرنا ہے تو انہیں خود کو سلمان رشدی سے علیحدہ کرنا ہوگا۔

ایسا لگتا ہے کہ یورپی یونین نے ایران سے بین الاقوامی قوانین کے احترام سے متعلق تحریری وعدہ کرنے کا مطالبہ کرکے معاملے کو بگاڑ دیا ہے۔ ایران تو کیا ایسا کوئی مطالبہ کسی بھی خوددار ملک کے لئے توہین آمیز ہی ہوگا جسے رد کرنا وہ اپنا فرض اولین تصور کرے گا۔ ایران اس معاملے میں صرف اس حد تک جانے کو تیار ہے یعنی یہ بیان جاری کرنے کی حد تک کہ وہ سلمان رشدی کے قتل کے لئے کوئی قاتل دستہ روانہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس صورت میں وہ کہہ سکتا ہے کہ وہ قتل و غارت گری کی پالیسی پر کبھی گامزن ہی نہیں تھا۔ اگر یورپی یونین کے لیڈر یہ توقع کرتے ہیں کہ ایران تحریری طور پر براہ راست نہیں تو بالواسطہ طور پر ہی سہی، سلمان رشدی کے خلاف آیت اللہ خمینی کے فتوے کو رد کرسکتا ہے تو وہ احمقوں کی جنت میں رہ رہے ہیں۔ یورپی یونین کی اپنے ناروا مطالبے پر نظرثانی خود ان کے اپنے حق میں بہتر ہوگی کیوں کہ اس صورت میں انہیں ایران کے اندر تجارت کے بے پناہ مواقع مل جائیں گے۔

مسلمانوں کے ساتھ مایاوتی کا فریب مسلسل

کابینہ میں چار مسلمانوں کو شریک کرنے کے پیچھے مایاوتی کے عزائم کا کچا چٹھا

تحریر سہیل انجم

اترپردیش کی وزیراعلی مایاوتی نے اپنی وزارت میں چار مسلمانوں کو شامل کرکے عام مسلمانوں میں یہ پیغام پہنچانے کی کوشش کی ہے کہ انہیں ان کے مسائل سے دلچسپی ہے اور وہ انہیں حل کرنا چاہتی ہیں۔ اس اقدام کا دوسرا مقصد یہ واضح کرنا بھی ہے کہ ان کی حکومت پر بی جے پی کا کوئی دباؤ نہیں ہے اور وہ اپنا کام کرنے میں مکمل طور پر آزاد ہیں۔ وزارتی کونسل میں چار مسلمانوں کی شمولیت اس کی واضح دلیل ہے۔ اس میں بالواسطہ طور پر دو اور مقاصد پنہاں ہیں۔ ایک تو یہ واضح کرنا کہ بی جے پی مسلم دشمن نہیں ہے اگر ہوتی تو چار مسلمانوں کی شمولیت پر ہائے توبہ ضرور مچاتی۔ دوسرے یہ کہ سابق وزیراعلی ملائم سنگھ مسلمانوں کے ہمدرد نہیں ہیں ورنہ وہ اپنی وزارت میں صرف دو مسلمان ہی کیوں لیتے۔

بی جے پی کے رتھ پر سوار ہوکر ایوان اقتدار میں پہنچنے والی مایاوتی اور ان کے سرپرست کانشی رام کو اس اقدام کے بعد یہ فکر لاحق ہوگئی ہے کہ انہوں نے برسوں کی مشقت کے بعد دلت مسلم اتحاد کا جو محل تعمیر کیا تھا اس کی بنیاد انتہائی کمزور ہوگئی ہے اور اگر اس کو استحکام نہیں بخشا گیا تو یہ عمارت زمین بوس ہوسکتی ہے۔ لہذا کانشی رام نے مایاوتی سے کہا کہ وہ اپنی وزارت میں ملائم حکومت میں شامل مسلم وزیروں کی دو گنا تعداد رکھیں۔ بارسوخ ذرائع کے مطابق بی جے پی کے سینئر لیڈروں سے بھی اس مسئلے پر گفت وشنید ہوئی اور انہوں نے اس شرط پر اسے تسلیم کرلیا کہ وہ سابق وزیر بنارس کے دینا ناتھ بھاسکر کو وزارت میں نہیں لیں گے۔ بی جے پی نے سماجوادی پارٹی کی جانب سے اس متوقع خطرے کا توڑ پیش کرنے کے لئے بھی اس پر اپنی مہر توثیق ثبت کردی کہ کہیں وہ بی ایس پی اور بی جے پی کی "مسلم دشمنی" کو بنیاد بنا کر ان کے خلاف کوئی مہم نہ شروع کردے۔

ویسے بی ایس پی اور بی جے پی کی "مسلم دشمنی" کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ مایاوتی مسلمانوں کو غدار کے لقب سے اکثر نوازتی رہی ہیں اور بی جے پی کے بارے میں تو کچھ کہنا ہی نہیں ہے۔ مایاوتی کے حالیہ دو بیانات بھی موجودہ حکومت کی قلعی کھولنے کے لئے کافی ہیں۔ ملائم حکومت کے دور میں بی ایس پی نے یہ مطالبہ بڑی شد و مد سے کیا تھا کہ سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کو دس فیصد ریزرویشن دیا جائے یہ مطالبہ مایاوتی کے اشارے پر کیا گیا تھا۔ جب ملائم سنگھ نے اس پر کوئی توجہ مبذول نہیں کی تو مایاوتی نے بھی یہ مطالبہ شروع کردیا۔ ملائم سنگھ نے کہا کہ پسماندہ طبقات کو حاصل 27 فیصد ریزرویشن میں مسلمانوں کا ریزرویشن بھی پنہاں ہیں۔ دراصل مایاوتی اس مطالبے کو بنیاد بنا کر ملائم سنگھ کو مسلمانوں کے مسائل میں دلچسپی نہ لینے والا باور کرانا چاہتی تھیں، مگر اب جبکہ وہ خود وزیراعلی بن گئی ہیں تو مسلمانوں کو ریزرویشن دینے سے انکار کرتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ مسلمانوں کو تحفظ ملنا چاہئے۔ اسی کے ساتھ وہ اپنی پوزیشن واضح کرتے ہوئے مسلمانوں کے ہاتھ میں وعدوں اور دعووں کا لالی پاپ بھی تھما دیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ان کی اقتصادی ترقی کے لئے میں بہت سے پروگرام شروع کروں گی۔ لگے ہاتھوں وہ ملائم سنگھ کو بھی کوسنا شروع کردیتی ہیں کہ اقلیتوں کے تعلق سے ملائم کا نظریہ واضح نہیں تھا۔ انہوں نے اردو کو روزی روٹی سے جوڑا لیکن اس کے پیچھے بی ایس پی کا دباؤ کارفرما تھا۔ گویا اردو ٹیچروں کی تقرری کا کریڈٹ بھی خود لینا چاہتی ہیں۔ لیکن ادیب ماہر اور ادیب کامل کی ڈگری رکھنے والوں کے خلاف بی جے پی کے عدالتی اسٹے پر خاموش رہتی ہیں۔
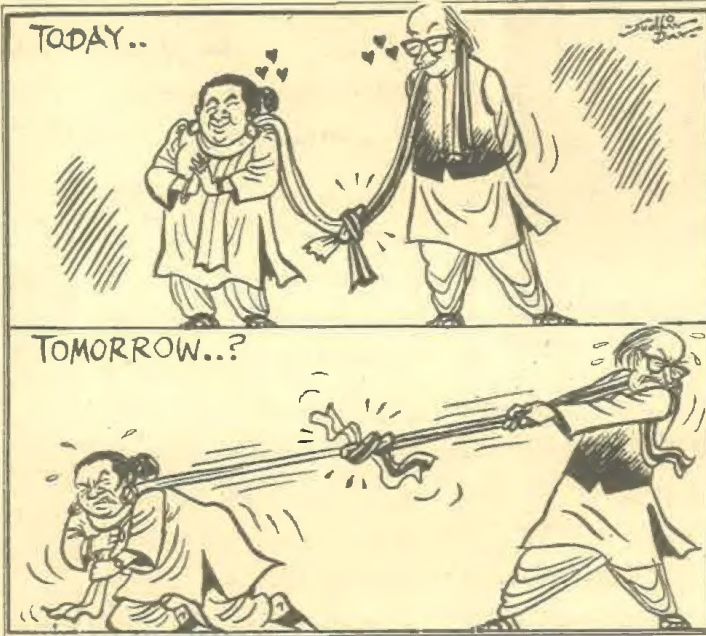
TODAY..

TOMORROW..?

> کانشی رام اور مایاوتی کو اس بات کا خدشہ لاحق ہوگیا ہے کہ مسلمان ان سے متنفر ہورہے ہیں اسی لئے وہ اپنے اقدامات سے یہ باور کرانے کی کوشش کررہے ہیں کہ انہیں مسلمانوں سے ہمدردی ہے۔

جہاں تک چار مسلمانوں کو وزیر بنانے کا تعلق ہے تو یہ بھی مسلمانوں کے ساتھ مایاوتی کے فریب مسلسل کا ایک حصہ ہے۔ جب وہ ایک مسعود کو گوارا نہیں کرسکیں تو چار چار مسلمانوں کو کیسے برداشت کرسکتی ہیں۔ ہاں اگر "بہن جی" صوفے پر اور یہ وزیر نیچے ان کے قدموں میں چٹائی پر بیٹھے ہوں تو وہ انہیں ضرور پسند کرتی رہیں گی۔ بی ایس پی کے اندرونی ذرائع گواہی دیتے ہیں کہ کانشی رام اور مایاوتی اپنے ورکرس یہاں تک کہ وزراء کے ساتھ بھی انتہائی ہتک آمیز رویہ اختیار کرتے ہیں۔ جس نے مخالفت و مزاحمت کی جرات کی اس کے خلاف ایکشن ہوا۔ ڈاکٹر مسعود اسی کے شکار بنے اور شاکر علی نے اسی بنا پر کانشی اور مایا کو چھوڑ دیا۔

مایاوتی مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لئے بابری مسجد مسئلے پر عدالتی احکام کی پابندی کی یقین دہانی بھی کراتی ہیں لیکن یہ بھی فرماتی ہیں کہ "ہم اپنی معاون جماعت بی جے پی، جس نے کہ ہمیں غیر مشروط حمایت دی ہے، کے جذبات کا احترام کریں گے ہم ایسا کچھ بھی نہیں کریں گے اور نہ ہونے دیں گے جس سے بی جے پی کے ورکرس کو احساس ہو کہ انہیں نظرانداز کیا جارہا ہے (گویا بابری مسجد مسئلے پر بھی بی جے پی کے جذبات کا احترام کیا جائے گا)۔ بی جے پی مسلمانوں کو خوش کرنے کی پالیسی کی مخالفت تو کرتی ہے لیکن عام مسلمانوں کے مسائل حل کرنے کی مخالفت وہ نہیں کرے گی۔ بی جے پی دلت مخالف بھی نہیں یہ جھوٹا اور بے بنیاد الزام ہے"۔

بی جے پی کی حمایت حاصل کرنے کے بعد مایاوتی کریلا نیم چڑھا ہوگئی ہیں لیکن فی الحال وہ اپنی زبان کو لگام دیے ہوئے ہیں۔ ممکن ہے یہ مصلحت بی جے پی کے دباؤ کا نتیجہ ہو۔ مایاوتی جس طرح بی جے پی کو معصوم باور کرانے کی کوشش کررہی ہیں اس سے بی جے پی کو فائدہ ہی ہوگا۔ گویا وزیراعلی نے بی جے پی کی حمایت کی قیمت قسط وار ادا کرنی شروع کردی ہے۔ عام انتخابات کے موقع پر بی جے پی اس حمایت کی قیمت سود در سود وصول کرنے کی کوشش کرے گی جس کے لئے ابھی سے زمین ہموار کی جارہی ہے۔

مایاوتی اور پھولن دیوی دونوں کو ایک دوسرے سے خطرہ

مایاوتی انتقامی کارروائی پر اتر آئی ہیں۔ 2 جون کو لکھنؤ کے سرکاری گیسٹ ہاؤس میں ان کے ساتھ کی جانے والی مبینہ بدتمیزی کی پاداش میں سماجوادی پارٹی کے کئی لوگوں کو قومی سلامتی ایکٹ کے تحت گرفتار کرلیا گیا ہے۔ اسمبلی میں اکثریت ثابت ہوجانے کے بعد گرفتاری کا وارنٹ جاری کیا گیا تھا۔ اسی دن ایک اور وارنٹ جاری ہوا تھا جو پھولن دیوی کے خلاف تھا۔ لیکن سیاسی ہنگامہ آرائیوں کے درمیان یہ معاملہ دب گیا اور کسی نے اس پر کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ حالانکہ یہ معاملہ اندر ہی اندر بہت گرم ہورہا ہے اور اس وارنٹ کے جواب میں پھولن دیوی نے جن عزائم اور جس انداز تخاطب کا اظہار کیا ہے وہ بلاشبہ مایاوتی کو چیلنج دینے والا ہے۔

مایاوتی اور پھولن دیوی میں کافی حد تک مماثلت ہے۔ مایاوتی کی عمر 39 سال ہے تو پھولن کی 37 سال۔ دونوں پسماندہ برادریوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ مایاوتی کا تعلق ہریجن ذات سے ہے تو پھولن دیوی کا ملاح ذات سے۔ آتش بیانی کا ملکہ دونوں کو حاصل ہے۔ مایاوتی بھی کسی کو خاطر میں نہیں لاتیں اور پھولن دیوی بھی۔ پھولن دیوی تو اپنے شوہر کے خلاف پولیس میں ایف آئی آر درج کرانے سے بھی گریز نہیں کرتیں۔ مایاوتی چونکہ ابھی غیر شادی شدہ ہیں اس لئے ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

لیکن دونوں میں کچھ تضادات بھی ہیں۔ پھولن دیوی نے اپنی عمر کا نصف حصہ چمبل کے گھنے جنگلوں اور تہاڑ جیل کی تنہائیوں میں گزارا ہے۔ جبکہ مایاوتی نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ دلی کے بارونق علاقوں میں گزارا ہے۔ مایاوتی نے ٹیچنگ لائن ترک کرکے سیاست کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا تو پھولن دیوی جیل سے چھوٹنے کے بعد میدان سیاست میں قسمت آزمائی کی کوشش کر رہی ہیں۔ پھولن دیوی کو سن بلوغت کے اوائل میں ہی مظالم کا شکار ہونا پڑا تھا اور پھر ہتھیار ڈالنے کے بعد کئی سال تک جیل میں رہنا پڑا۔ جبکہ مایاوتی کو ایسے کسی بھی تجربے سے نہیں گزرنا پڑا ہے۔ مایاوتی کانشی رام کا دامن پکڑ کر یوپی کی وزارت اعلی تک پہنچی ہیں جبکہ پھولن دیوی نے اکلویہ سینا اور اکلویہ منچ کے نام سے اپنا سیاسی فرنٹ بنایا ہے۔ مایاوتی نے کانشی رام کو اپنا سیاسی گرو بنایا تو پھولن نے کانشی رام اور مایاوتی کے مخالف ایک دلت لیڈر رام بلاس پاسوان کو اپنا بھائی اور سیاسی گرو بنا لیا ہے۔

پھولن دیوی، ایس آر بوسی، پاسبان اور پھولن دیوی کے شوہر امید سنگھ

اپنے خلاف جاری ہونے والے وارنٹ پر ردعمل ظاہر کرتے ہوئے پھولن دیوی نے کہا کہ وہ پھانسی پر لٹک جائیں گی مگر مایاوتی سے معافی نہیں مانگیں گی۔ دراصل پھولن دیوی کی رہائی دلت سیاست کے عروج اور ملائم سنگھ کی مہربانیوں کی مرہون منت ہے اس لئے غالبا پھولن دیوی کو یہ خدشہ لاحق ہے کہ مایاوتی ان کے خلاف کوئی کارروائی کرسکتی ہیں۔ ملائم حکومت کی برخاستگی اور مایاوتی کو وزیراعلی بنانے کے کھیل پر پاسوان نے شدید ردعمل ظاہر کیا تھا اس لئے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مایاوتی پاسوان کو زچ کرنے کے لئے پھولن دیوی کو پریشان کرسکتی ہیں۔ سیاسی مبصرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ جس طرح مایاوتی دلت سیاست کرکے اس کے فوائد اٹھا رہی ہیں اسی طرح پھولن دیوی بھی کچھ کرنا چاہتی ہیں۔ ممکن ہے کہ مایاوتی کو اسی لئے پھولن سے خطرہ لاحق ہوگیا ہو اور وہ یہ سمجھ بیٹھی ہوں کہ دلت سیاست کی جنگ میں آگے چل کر پھولن دیوی انہیں مات نہ دے دیں۔ یہ گرچہ زیادہ قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا لیکن سیاست میں کب کیا ہوجائے کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ کون سوچتا تھا کہ مایاوتی ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست کی اس طرح وزیراعلی بن جائیں گی۔ بہرحال مایاوتی کے سامنے پھولن دیوی کا خطرہ تو ہے ہی اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ آگے چل کر پھولن مایاوتی کو سیاسی چیلنج دینے کی پوزیشن میں آجائیں گی تو شاید بیجا نہ ہوگا۔

کراچی میں شیطنت کا ننگا ناچ کب تک

جمعہ سے اتوار (23 تا 25 جون) تک جاری رہنے والے ایم کیو ایم کے خونیں احتجاج میں سو سے زائد لوگ ہلاک ہو چکے ہیں۔ ویسے ابھی تک جون کے اس خونیں مہینے میں تین سو سے زائد لوگ موت کی نیند سلائے جا چکے ہیں۔ بہرحال کراچی شہر کو اس وقت راحت نصیب ہوئی جب ایم کیو ایم نے دوشنبہ کو اپنا سہ روزہ احتجاج ختم کرنے کا اعلان کیا۔ اگرچہ اس کے بعد لوگ بڑی تعداد میں کراچی کی سڑکوں پر نکل آئے اور کاروباری ادارے بھی کھل گئے لیکن لوگوں کے دل خوف سے آزاد نہیں ہو سکے ہیں۔ کیونکہ ایم کیو ایم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ ہر جمعہ اور سنیچر کو احتجاج جاری رکھے گی۔

ایم کیو ایم نے یہ احتجاج اپنے ایک کارکن کی بہن زرینہ کی اجتماعی عصمت دری اور تنظیم کے ایک اہم لیڈر عظیم طارق کی ہلاکت کے خلاف شروع کیا تھا۔ ایم کیو ایم کے مطابق زرینہ کی عصمت دری پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے انتقامی کارروائی کے طور پر کی ہے۔ پولیس کی میڈیکل رپورٹ کے مطابق زرینہ کی عصمت دری نہیں کی گئی۔ لیکن آغا خاں اسپتال کے ڈاکٹروں نے معائنہ کرنے کے بعد بتایا کہ زرینہ انسان نما درندوں کی ہوس کا شکار ہوئی تھی۔ ایم کیو ایم کا احتجاج بنیادی طور پر اسی واقعے کے خلاف تھا۔

کہنے کو احتجاج پرامن تھا۔ مگر اس وقت فساد پھوٹ پڑا جب ایم کیو ایم کے کارکنوں نے دکانیں بند کرانے کی کوشش کی اور سڑکوں پر خصوصا سرکاری گاڑیوں کو نشانہ بنایا۔ اس کے بعد منہ ڈھکے ہوئے دہشت گرد کراچی کی سڑکوں پر چھا گئے اور انہوں نے ہر اس شخص کو گولیوں کا نشانہ بنایا جس نے ان کے احتجاج کی حمایت نہ کی۔ ہاکی کے ایک کھلاڑی مقیم خان، جو سابق ہاکی کپتان حنیف خاں کے بھائی تھے، محض اس لئے دہشت گردوں کی گولیوں کا شکار ہو گئے کہ وہ ایک دوا خانے کے پاس کچھ خرید رہے تھے۔ ایسے نہ جانے کتنے معصوم اور بے گناہ افراد، محض گھر سے باہر نکلنے کے جرم میں گولیوں سے بھون دئے گئے۔

اپوزیشن جماعتوں نے بے نظیر حکومت پر الزام لگایا ہے کہ ان فسادات کی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے۔ حکومت نے اس کے برعکس اسے ایم کیو ایم کی دہشت گردی کا نتیجہ قرار دیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اس میں بھارتی ایجنٹ بھی شامل ہیں۔ حکومت نے پچھلے دنوں ایم کیو ایم کو مذاکرات کی دعوت دی تھی جسے اس نے مسترد کر دیا ہے۔ حالانکہ لوگوں کو امید تھی کہ اس قسم کے مذاکرات سے حالات کو بہتر بنانے میں مدد ملے گی۔

کراچی پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہی نہیں بلکہ سب سے بڑا تجارتی و صنعتی مرکز بھی ہے۔ یہاں ایک کروڑ بیس لاکھ لوگ آباد ہیں۔ ان فسادات کے بعد شاید اب باہری سرمایہ کار یہاں اپنا سرمایہ لگانے سے گریز کریں جس سے پاکستان کا نقصان تو ہوگا ہی خود اہل کراچی کے مسائل میں بھی مزید اضافہ ہوگا۔ تازہ خبروں کے مطابق 75 فیصد سے زائد غیر ملکی سفارت کار کراچی چھوڑ کر اسلام آباد آگئے ہیں۔

لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حکومت نے بلوائیوں کو دیکھتے ہی گولی مار دینے کا حکم دیا ہے۔ اسی کے ساتھ بعض خاص علاقوں میں گھروں کی

نوازشریف پر غداری کا مقدمہ

بے نظیر اور نواز شریف کی سیاسی مخالفت ذاتی دشمنی بن گئی

پاکستانی وزیر اعظم کے حزب مخالف کے لیڈر نواز شریف کے تئیں حالیہ رویے نے امریکی وزارت خارجہ کو پاکستان میں جمہوری طرز عمل کے مستقبل کی طرف سے حیرت و تشویش میں ڈال دیا ہے۔ حزب مخالف سے مذاکرات کے امریکی مشورے میں بے نظیر حکومت کے دوسری پارٹیوں خصوصا سندھ مہاجر قومی موومنٹ کے ساتھ معاملات کے دیگر پہلوؤں کی طرف مبہم اشارہ ملتا ہے جن میں سے ایک امریکی قونصل خانے سے وابستہ دو امریکی ملازمین کے قاتلوں کا سراغ لگانے میں وفاقی اور صوبائی حکومت کی ناکامی بھی ہے۔

نواز شریف یا مہاجر قومی موومنٹ کے سربراہ الطاف حسین سے قریبی حزب مخالف کے لیڈروں کے خلاف کئی مقدمات چل رہے ہیں۔ مسلم لیگ کے خلاف مقدمات کا مقصد ان کے مالی اثاثے کو ضبط کرنا اور مہاجر قومی موومنٹ کے لیڈروں کے خلاف مجرمانہ نوعیت کے الزام ہیں۔ نواز شریف کا جرم یہ بتایا جاتا ہے کہ ان کے ایماء پر 1993ء میں ایک سول سرونٹ کو اغوا کرکے ان کے دوست شجاعت حسین کے گھر میں مقید رکھا گیا تھا۔

نواز شریف اور الطاف حسین دونوں ہی پاکستانی معیار کے اعتبار سے خاصے بڑے صنعت کار ہیں اور تیزی سے ترقی کی ہے۔ حکومت اور پاکستان پیپلز پارٹی کے مشتہرین ان پر عہدے کو تجارت کا ذریعہ بنانے کا الزام لگاتے نہیں تھکتے۔ لہذا دونوں کے خاندانوں کے تجارتی یونٹوں کی چھان بین اور تحقیقات پی پی پی حکومت کی طرف سے ہو رہی ہے۔

نواز شریف اور بے نظیر بھٹو کی کشمکش کا آغاز اس وقت ہوا جب وہ بے نظیر حکومت میں پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے اور انہوں نے وفاقی حکومت کے ساتھ تعاون نہیں کیا۔ موجودہ لڑائی کی تمہید یہ ہے کہ 89-1988ء میں فوج نے مرزا اسلم بیگ کی ماتحتی میں پی پی پی حکومت کے خلاف سازش کا منصوبہ شروع کیا تھا۔ اب عام طور پر یہ سمجھا جا رہا ہے کہ انٹر سروسز انٹلی جنس جس نے اسلامی جمہوری اتحاد کی تشکیل کی تھی شریف کو قومی رول انجام دینے کے لئے آمادہ کیا تھا۔ ایسے ہی وقت میں نواز شریف اور بھٹو کے درمیان ذاتی دشمنی شروع ہوئی حالانکہ سندھ کی سیاست ایسے رخ پر جا رہی تھی جہاں دن بدن خراب ہوتی ہوئی نسلی صورت حال سے نبرد آزما ہونا مشکل تھا۔ پوری تصویر پر نظر ڈالے بغیر بھی یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ بے نظیر کی قیادت نواز شریف اور ان کے سرپرستوں کی ایک ایک کرتوت کی سزا دینے پر تلی ہوئی تھی۔

دو بڑی سیاسی پارٹیوں کے درمیان اس تصادم کو دیکھتے ہوئے تمام اہل رائے نے حکومت اور حزب مخالف دونوں کو یہی مشورہ دیا کہ اپنے اختلافات کو جاگیردارانہ تصادم اور کردار کشی کی شکل نہ دیں۔ نواز شریف نے بھی رائے طلبی کے نام پر پی پی پی کی سربراہ اور ان کے شوہر پر کئی مقدمات قائم کئے جس کا مقصد، جیسا کہ اب ہے، حزب مخالف کو پرسکون کارکردگی سے باز رکھنا تھا کہ گویا، دونوں ایک دوسرے کی تباہی کے در پے تھے

> نواز شریف یا مہاجر قومی موومنٹ کے سربراہ الطاف حسین سے قریبی حزب مخالف کے لیڈروں کے خلاف کئی مقدمات چل رہے ہیں۔ مسلم لیگ کے خلاف مقدمات کا مقصد ان کے مالی اثاثے کو ضبط کرنا اور مہاجر قومی موومنٹ کے لیڈروں کے خلاف مجرمانہ نوعیت کے الزام ہیں۔ نواز شریف کا جرم یہ بتایا جاتا ہے کہ ان کے ایماء پر 1993ء میں ایک سول سرونٹ کو اغوا کرکے ان کے دوست شجاعت حسین کے گھر میں مقید رکھا گیا

پاکستانی سیاست پر نظر رکھنے والوں کو 1993 کی گرمیاں یاد ہوں گی جب پی پی پی اپوزیشن اور برسراقتدار اسلامی جمہوری اتحاد کے درمیان رسہ کشی نے ملک میں طوفان برپا کر دیا تھا۔ پنجاب کی مسلم لیگ حکومت اچانک بیٹھ گئی اور شریف کیمپ سے نکل بھاگنے والے ایک شخص نے مسلم لیگ مخالف حکومت کی تشکیل کر لی حالانکہ مسلم لیگ کی ٹھوس اکثریت تھی۔ (غداری کا معاملہ صوبائی اسمبلی میں قلابازی کھانے پر سامنے آیا)

1993ء میں نواز شریف کی برطرفی کے پس پردہ امریکی سفیر، کثیر جہتی اداروں اور جنرلوں کی مداخلت بھی شامل تھی جس نے نواز شریف اور صدر غلام اسحاق خاں دونوں کا پتہ صاف کر دیا۔ یہ سب اس کے بعد ہوا جب سپریم کورٹ نے وفاقی حکومت کی برطرفی کو غیر قانونی قرار دیا تھا اور شریف کو وزارت عظمیٰ پر بحال کر دیا گیا تھا۔

پی پی پی کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے

اس شمارے کی قیمت چار روپے
سالانہ چندہ ایک سو پچاس روپے / سو امریکی ڈالر
یکے از مطبوعات
مسلم میڈیا ٹرسٹ
پرنٹر پبلیشر / ایڈیٹر محمد احمد سعید نے
تیج پریس بہادر شاہ ظفر مارگ سے چھپوا کر
دفتر ملی ٹائمز انٹرنیشنل
49، ابوالفضل انکلیو،
جامعہ نگر، نئی دہلی 110025 سے شائع کیا
فون 6827018

مسئلہ کراچی کو ایک نئے تناظر میں دیکھنے کی ضرورت

کراچی کے خون خرابے کا تاریخی پس منظر

کراچی کے موجودہ مسائل ، خاص طور سے مہاجر اور غیر مہاجر یا سندھی تنازعہ کو سمجھنے کے لئے اس کے ایک مختصر تاریخی پس منظر کا علم ضروری ہے۔ 1947ء میں تقسیم ہند کے بعد شمالی ہندوستان کے لاکھوں مسلمان پاکستان منتقل ہوگئے ۔ ان مہاجرین میں سے تقریباً بیس فیصد سندھ میں جاکر آباد ہوگئے خاص طور سے کراچی ، حیدرآباد اور بعض دوسرے شہروں میں ۔ پنجاب میں آباد ہونے والے مہاجر بنیادی طور پر ہندوستانی پنجاب سے تعلق رکھتے تھے اس لئے انہیں وہاں کے کلچر اور ماحول میں گھل مل جانے میں دشواری پیش نہیں آئی۔ لیکن کراچی اور حیدرآباد میں آباد ہونے والے مہاجروں کی اکثریت اردو بولنے والی تھی اور انہیں سندھی تہذیب و سماج میں ضم ہونے میں مشکل پیش آئی۔ سچ تو یہ ہے کہ اس ضمن میں کسی قسم کی دانستہ کوشش کی ہی نہیں گئی۔

مہاجروں کی آمد سے اچانک کراچی کی آبادی کا نقشہ بدل گیا۔ چند ہی سالوں میں آبادی دوگنا سے

زیادہ ہوگئی۔ 1951ء میں مہاجر کراچی میں 55 فیصد سے زائد تھے۔ یہ مہاجرین متوسط طبقہ سے تعلق رکھتے تھے کیونکہ انتہائی غریب طبقہ اور نہایت امیر یعنی زمیندار طبقہ نے تو اصلاً ہجرت کی ہی نہیں تھی ۔ ان مہاجرین کی اکثریت تعلیم یافتہ ، روزگار سے وابستہ اور پروفیشنل تھی۔ ان مہاجروں کی قیادت بیوروکریٹس کے ہاتھوں میں تھی جنہوں نے پاکستان جانے کا فیصلہ اس لئے لیا تھا کہ انہیں وہاں ترقی کے بڑے مواقع میں گے ۔ ایسا ہوا بھی ۔ اپنی تعلیم اور پروفیشنلزم کی وجہ سے مہاجرین کو سندھیوں اور پنجابیوں کی بہ نسبت زیادہ اچھی نوکریاں مل گئیں ۔ ایک طرح سے پاکستانی بیوروکریسی پر مہاجرین چھاسے گئے۔

سندھی زیادہ تر پسماندہ اور غیر تعلیم یافتہ تھے۔ ان کی اکثریت کھیتی باڑی سے وابستہ تھی۔ سندھی ہندو تجارت سے وابستہ تھے مگر ان کی بھاری اکثریت 1947ء میں ہندوستان چلی آئی۔ بعد میں ان کی جگہ کچھ تجارت پیشہ مہاجروں اور دوسروں نے لے لی۔ اس طرح تقسیم کے فوراً بعد سندھ خصوصاً کراچی میں اردو بولنے والے مہاجروں کا بول بالا ہوگیا۔ انہیں کچھ یہ زعم بھی تھا کہ پاکستان انہوں نے ہی بنایا تھا ۔ ان سب باتوں نے انہیں نسبتاً کم پڑھے لکھے اور پسماندہ سندھیوں سے دور رکھا ۔ بتدریج یہ دوری اور خلیج بڑھتی گئی جو موجودہ مسائل کی اصل جڑ ہے۔

ظاہر ہے مہاجروں کا غلبہ دائمی نہیں تھا ۔ سندھ اور پنجاب میں زرعی انقلاب کی کامیابی کے بعد سندھیوں نے بھی اپنا وجود منوانا شروع کردیا ۔ پھر 1960ء کے بعد ، خصوصاً ایوب خاں کے برسراقتدار آنے کے بعد بیوروکریسی اور سیاست دونوں میدانوں میں مہاجروں کا اثر و نفوذ کم ہونے لگا۔ دراصل ایوب خاں نے دانستہ پنجابیوں کو آگے بڑھایا اور مہاجروں کو بہت سے اہم عہدوں سے برطرف کردیا۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ پنجابیوں ، سندھیوں اور پٹھانوں کی تعلیمی حالت بھی سدھر گئی اور روزگار کے بازار میں وہ بھی سرگرم ہوگئے جس سے بنیادی طور سے ملازمت پیشہ مہاجرین کے مسائل میں بتدریج اضافہ ہونے لگا۔ غیر تعلیم یافتہ مہاجرین ، جو ٹرانسپورٹ وغیرہ جیسے شعبوں میں کام کرتے تھے وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہے کیونکہ کراچی میں پٹھانوں کی آمد کے بعد یہ شعبہ بھی ان کے ہاتھ سے جاتا رہا۔

لیکن مہاجروں کو سب سے زیادہ نقصان کراچی میں پنجابیوں کی آمد سے ہوا ۔ دھیرے دھیرے یہ لوگ صنعت ، حرفت اور تجارت سب میں آگے بڑھنے لگے۔ ان میں جب تعلیم آگئی تو یہ اس کوٹے سے فائدہ اٹھاکر سروس بھی حاصل کرنے لگے جو شہری سندھیوں یا بہ الفاظ دیگر مہاجروں کے لئے مخصوص تھا۔ لیکن 1971ء میں بنگلہ دیش بننے کے بعد پاکستان میں جب بھٹو برسراقتدار آئے تو سندھی ہونے کے ناطے انہوں نے سندھیوں کو بہت آگے بڑھایا۔ چنانچہ وہ بھی روزگار کی مارکیٹ میں مہاجروں کا مقابلہ کرنے لگے ۔ غرض 1980ء کی دہائی شروع ہونے تک سندھ اور بالخصوص کراچی میں مہاجروں کے معاشی مسائل کافی سنگین ہوگئے تھے۔

قیام پاکستان کے بعد سے مہاجرین سیاسی سطح پر بالعموم مسلم لیگ اور چند مذہبی جماعتوں خصوصاً جماعت اسلامی اور جمعیۃ علماء اسلام سے وابستہ تھے ۔ ان ساری ہی جماعتوں کی قیادت اکثر ان مہاجرین کے ہاتھوں میں تھی جو 1947ء میں اپنا سب کچھ پیچھے ہندوستان میں چھوڑ کر پاکستان چلے آئے تھے ۔ مصائب جھیلنا اور قربانی دینا تقریباً ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی ۔ انہیں مہاجروں کے بڑھتے معاشی مسائل کا احساس تھا لیکن ان کا وژن (Vision) نسلی بنیادوں پر قائم نہ تھا بلکہ وہ پورے پاکستان کے مفاد میں سوچنے کے عادی تھے ۔ نہ تو وہ بھٹو کی طرح صرف سندھی نسل کے بارے میں فکرمند ہوسکتے تھے اور نہ پنجابی سیاستدانوں کی طرح پنجابیت جیسی تنگ نظری کے متحمل ۔ مہاجروں کی پہلی نسل سے اس قسم کی سوچ متوقع ہی نہیں بلکہ فطری بھی تھی ۔ لیکن ان کی دوسری نسل فطری طور پر دوسری سوچ رکھتی تھی۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ مہاجر سیاستدانوں کی بہ نسبت ، چاہے وہ مسلم لیگ سے وابستہ ہوں یا جماعت اسلامی سے ، سندھی و پنجابی سیاستداں صرف اپنے ہم نسلوں کے مفادات کے بارے میں سوچتے اور کام کرتے ہیں۔ اس فکر نے مہاجروں میں بھی ، خصوصاً اس کے نوجوان طبقہ میں ایک علیحدہ گروپ ہونے کے شعور کو جنم دیا۔ بوڑھی مہاجر قیادت اپنے نوجوانوں کی نئی طرز فکر سے آگاہ ہونے کے باوجود بھی خود کو بدلنے کے لئے تیار نہیں تھی ۔ حالانکہ مہاجروں کا نیا طبقہ ایسی قیادت کے لئے بے چین تھا جو نسلی مفادات پر مبنی قومی و صوبائی سیاست میں ان کی آواز اٹھاسکے ۔ مہاجر قومی موومنٹ کو نوجوان مہاجروں کی اسی فکر نے جنم دیا اور یہی وجہ ہے کہ یہ تحریک بہت جلد مہاجروں خصوصاً نوجوانوں کے دلوں کی دھڑکن بن گئی۔

مہاجر قومی موومنٹ یا ایم کیو ایم نے اپنی تاسیس کے وقت جو مقاصد بیان کئے تھے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تحریک سندھیوں کے خلاف نہیں تھی بلکہ یہ مہاجروں اور سندھیوں کی ایک مشترکہ تحریک تھی پنجابیوں اور پٹھانوں کے خلاف ۔ یہی دراصل ایم کیو ایم کی غلطی تھی ۔ پنجابی سیاستداں پنجابیوں کے مفادات کے نگہباں ضرور تھے مگر اس مقصد کے لئے کوئی نسلی یا علاقائی پارٹی قائم کرنے کے بجائے وہ قومی جماعتوں میں رہ کر ہی اپنا کام نکال رہے تھے ۔ مگر ایم کیو ایم نے کھلم کھلا نسلی بنیادوں پر سیاست کو رائج کیا جسے علمی و صحافتی سطح پر اس کے خلاف استعمال کیا گیا۔

چونکہ ایم کیو ایم نے سندھیوں کے بجائے صرف پنجابیوں اور پٹھانوں کی مخالفت کی تھی اس لئے شروع میں بے نظیر بھٹو کی پیپلز پارٹی سے اس کی ایک طرح کی مفاہمت ہوگئی ۔ 1988ء کے انتخابات میں ایم کیو ایم نے زبردست کامیابی حاصل کی۔ کراچی اور حیدرآباد کی تقریباً تمام ہی قومی و صوبائی اسمبلی کی سیٹیں اس نے حاصل کرلیں۔ پی پی پی سے مفاہمت کی وجہ سے ایم کیو ایم نے بے نظیر کو وزیراعظم بننے میں مدد بھی دی۔ مگر بہت جلد یہ مفاہمت ختم ہوگئی۔ بے نظیر نے ایم کیو ایم کو ختم کرنے کا پروگرام بنایا اور اس مقصد کے لئے فوج کو استعمال کیا۔ فوج دراصل زیادہ اختیارات چاہتی تھی تاکہ ایم کیو ایم اور ان سندھی گروپوں کو یکساں طور پر دبا دے جنھوں نے کراچی کا امن غارت کردیا تھا۔ مگر بے نظیر نے ایسا نہ ہونے دیا۔ کیونکہ اس سے سندھیوں میں ان کی ساکھ گر جاتی۔

بے نظیر کے بعد جب نواز شریف برسراقتدار آئے تو ان کے دور میں بھی فوج نے زیادہ اختیارات کے ساتھ ایم کیو ایم کو دبانا شروع کیا۔ چونکہ وزیراعلیٰ جام صادق علی سندھی تھے اس لئے سندھی انتہاپسند اس بار بھی آرمی کی دسترس سے باہر رہے اور ایم کیو ایم تنہا آرمی آپریشن کا نشانہ بنتی رہی۔

نواز شریف کی برطرفی کے بعد جب بے نظیر دوبارہ برسراقتدار آئیں تو ایک بار پھر انہوں نے ایم کیو ایم کو ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اس بار فوج نے مہاجرین اور ایم کیو ایم کے کارکنوں میں کوئی تمیز نہ کرتے ہوئے سب کو مجرم سمجھ کر کارروائی شروع کی جس سے عوام میں ان کے خلاف زبردست غصہ پیدا ہوگیا ایم کیو ایم نے بھی فوج کی دست درازیوں کا مقابلہ ہتھیاروں سے شروع کردیا تھا۔ اس سے مہاجر نوجوانوں میں ان کی ساکھ مضبوط ضرور ہوئی لیکن بعد میں یہ بندوق کلچر ان کے حق میں بھی برا ثابت ہوا۔ کیونکہ ایم کیو ایم میں الطاف حسین کی آمرانہ ذہنیت کے خلاف بغاوت پھوٹ پڑی اور ایک دوسری جماعت ایم کیو ایم حقیقی کے نام سے وجود میں آگئی۔ ان دونوں گروپوں میں اس وقت سے مسلسل خونیں لڑائیاں جاری ہیں۔ سچ یہ ہے کہ الطاف حسین ایک آمر ہونے کے ناطے اپنے خلاف کسی آواز کو برداشت نہیں کرتے۔ ان کے یہاں اختلاف رائے کی بھی گنجائش نہیں ہے ۔ ایسے سارے عناصر کو وہ ہمیشہ کی نیند سلادینے میں یقین رکھتے ہیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ الطاف حسین کا دامن بھی بے گناہوں کے خون سے لت پت ہے۔

مسائل بندوق کی گولی سے حل نہیں ہوتے

ایم کیو ایم فوج اور پی پی پی کی کشمکش کے علاوہ کراچی اور بھی کئی طرح کے مسائل سے دوچار ہے ۔ مذہبی فرقہ واریت شباب پر ہے ۔ شیعہ سنی باہم دست و گریباں ہیں ۔ ان کے علاوہ کسی بھی بڑے شہر کی طرح یہاں ، زمین مافیا ، ڈرگ مافیا ، اور دوسرے جرائم پیشہ گروہ بھی پائے جاتے ہیں۔ افغانستان کی جنگ کے بعد سے ہتھیار سب کو بڑی آسانی سے مل جاتا ہے ۔ یہ جرائم پیشہ افراد سیاسی و غیر سیاسی جماعتوں میں بھی گھس گئے ہیں۔ ظاہر ہے ان کے یہاں ہر مسئلے کا علاج بندوق کی گولی ہے ۔ اس ذہنیت نے بھی کراچی کو میدان جنگ بنانے میں اہم رول ادا کیا ہے۔

بے نظیر حکومت کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ کراچی کے مسئلے کو ایک سماجی ، معاشی اور سیاسی مسئلہ سمجھنے کے بجائے اسے قانون اور نظم و ضبط کا مسئلہ تصور کررہی ہے ۔ سمجھ یا فہم و تصور کی اس کج روی کی وجہ سے ان کی پالیسیاں بھی غلط ہیں۔ ظاہر ہے جب مرض کی تشخیص ہی غلط ہوگی تو علاج بھی غلط ہی ہوگا۔ اگر پاکستانی حکمراں کراچی کو آگ اور خون کے دریا سے نکال کر اسے اس کا پرانا امن اور حسن دوبارہ دینے کے معاملے میں مخلص ہیں تو انہیں ازسرنو اس مسئلے پر غور و فکر کرکے ایک بالکل نئی پالیسی اختیار کرنی ہوگی۔ بنیادی بات یہ ہے کہ کراچی کے موجودہ مسائل کو سماجی ، معاشی اور سیاسی تناظر میں دیکھا جائے اور اسی نقطہ نظر سے ان کے حل کے لئے طویل المدتی پروگرام اور پالیسیاں ترتیب دی جائیں۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس میں ہر مکتب فکر کے لوگوں اور سیاسی پارٹیوں کو شامل کرنے کی ضرورت ہے ۔ ہر ایک کو اپنی ناک سے آگے دیکھنا ہوگا اور ذاتی و گروہی مفادات کو بالائے طاق رکھ کر وہ کام کرنا ہوگا جو سب کے حق میں بہتر ہو اور جس سے آگ میں جل رہے شہر کراچی کے لوگوں کو راحت نصیب ہو ۔ قوموں کی زندگی میں ایک وقت ایسا آتا ہے جب ہر فرد اور جماعت کو مفاد عامہ کی خاطر ذاتی و گروہی مفادات کی قربانی دینی پڑتی ہے ۔ اہل پاکستان اپنی قومی زندگی کے شاید یقینی طور پر اسی مرحلے سے گزر رہے ہیں ۔ مگر یہ کتنا مشکل ہے کہ خود پاکستانی سیاستدانوں کو بھی اس امر کا احساس ہے یا نہیں کہ وقت نے ان کے کاندھوں پر بڑی بھاری ذمہ داری ڈال دی ہے۔

بغداد کے سیمینار میں ایرانی وفد کی شرکت

ایران اور عراق پھر دوست بن جائیں گے

اگرچہ ابھی یہ کہنا مشکل ہے کہ ایران و عراق کے تعلقات بہت جلد اس قدر نارمل ہوجائیں گے کہ صدر ہاشمی رفسنجانی اور صدر صدام حسین ایک دوسرے سے مل بیٹھیں لیکن اتنی بات طے ہے کہ ادھر حال ہی میں دونوں ملکوں نے ایک دوسرے سے قریب آنے کی کوشش کی ہے۔ حال ہی میں ایک ایرانی وفد نے بغداد میں منعقد ایک سیمینار میں شرکت کی تھی۔ خاص طور سے اہل مغرب کو یہ سن کر تعجب ہوا کہ ایرانی وفد نے دونوں ملکوں کے مابین تعلقات کو درست کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ تہران کے ایک اخبار نے تو باقاعدہ یہ تبصرہ بھی کیا کہ "دونوں ملکوں کے خیالات، خاص طور سے اوپیک میں ان کے رول، علاقے میں غیر ملکی فوجوں کی موجودگی اور ایک مشترکہ دفاعی نظام سے متعلق ان کے نظریات ایک دوسرے سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہوسکتے"۔

ایران و عراق کے مابین تعلقات کی بہتری میں یہ ذراسی پیش رفت بھی مغرب کے قائدین اور صحافیوں کو کھٹکنے لگی ہے۔ چنانچہ پرانی عادت کے مطابق پرانے زخموں کو کریدنے کا کام شروع کردیا گیا ہے۔ گارجین اور اکنامسٹ جیسے اخبارات و رسائل نے یاد دلانا شروع کردیا ہے کہ شیعوں اور سنیوں کے درمیان بڑے اختلافات ہیں۔ دونوں نے آٹھ سال تک بے مقصد جنگ کی جس میں کم از کم ایک ملین لوگ مارے گئے۔ ابھی دونوں ملکوں میں ایک دوسرے کے جنگی قیدی موجود ہیں۔ دونوں کی سرحدیں ابھی اختلافی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

مغرب یہ نہیں چاہتا کہ عراق و ایران کے تعلقات میں بہتری آئے۔ کیونکہ ان کی اسکیم ہی یہ ہے کہ انہیں آپس میں لڑا کر یا انہیں چھوٹے خلیجی ملکوں کے لئے خطرہ کے طور پر پیش کرکے اس علاقے میں تناؤ اور کشمکش کا ماحول باقی رکھا جائے تاکہ انہیں یہاں اپنی فوجیں رکھنے کا جواز تو ملے ہی، اسی کے ساتھ احسان جتا کر تیل سے مالا مال عرب ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرکے ان کی معاشیات اس نہج پر رکھی جائے جس سے ان کا فائدہ ہو۔ یہ کام پہلے برطانیہ نے جنگ عظیم تک کیا اور اس کے بعد اب امریکہ اسے انجام دے رہا ہے۔

مغرب یہ نہیں چاہتا کہ عراق و ایران کے تعلقات میں بہتری آئے۔ کیوں کہ اس کی اسکیم ہی یہ ہے کہ انہیں آپس میں لڑا کر یا انہیں چھوٹے خلیجی ملکوں کے لئے خطرہ کے طور پر پیش کرکے اس علاقے میں تناؤ اور کشمکش کا ماحول باقی رکھا جائے تاکہ انہیں یہاں اپنی فوجیں رکھنے کا جواز تو ملے ہی، اسی کے ساتھ احسان جتا کر تیل سے مالا مال عرب ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرکے ان کی معاشیات اس نہج پر رکھی جائے جس سے ان کا فائدہ ہو۔

ایران و عراق دونوں تیل سے مالا مال ہیں اور دونوں ہی مغرب کی سازش کا شکار ہیں۔ جب 1979ء میں ایران میں انقلاب آیا تو اسے بہانہ بنا کر، خاص طور سے رہنمائے انقلاب آیت اللہ خمینی کے بعض بیانات کی آڑ میں صدام حسین کو مغرب نے یہ یقین دلایا کہ ان کی حکومت خطرے میں ہے۔ اسی طرح بعض دوسرے عرب ممالک کو بھی ایرانی خطرے سے آگاہ کیا گیا۔ بالآخر صدام حسین نے عرب مفادات کی خاطر ایران پر حملہ کردیا۔ آٹھ سال کی جنگ کے بعد دونوں ممالک ایک دوسرے پر فتح تو نہ حاصل کرسکے البتہ اپنی اچھی خاصی معاشیات کو ضرور تباہ کرگئے۔

آج ایران اور عراق دونوں کو ایک دوسرے سے تعلقات بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ دونوں ہی کے خلاف مغرب نے ہتھیار اٹھا رکھا ہے۔ عراق کے خلاف اقوام متحدہ کے ذریعہ پابندیاں عائد کی گئی ہیں تو ایران کے خلاف امریکہ نے انفرادی طور پر تجارتی پابندی لگا رکھی ہے اور یوروپی یونین ملعون سلمان رشدی کے بہانے اسے تنگ کر رہی ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر ان ممالک کے آپسی تناؤ کو خلیج کے لئے خطرہ قرار دے کر امریکہ نے علاقے میں اپنی فوجیں اتار رکھی ہیں۔ بلاشبہ ایران و عراق کے درمیان اختلافات ہیں۔ دونوں ہی ممالک خاص طور سے ایران کو عراق سے کافی بجا شکایتیں بھی ہیں۔ لیکن اب ان دونوں ممالک اور خلیج کے حق میں بہتر یہی ہے کہ پرانی دشمنی کو بھول کر ایک نئی حقیقت پسندانہ پالیسی اختیار کریں تاکہ نہ صرف ان ممالک کے باہمی تعلقات میں بہتری پیدا ہو بلکہ تمام ہی خلیجی ممالک کے تعلقات نارمل ہوجائیں۔

سچ یہ ہے کہ ایران و عراق کے تعلقات سے علاقے میں امن و سلامتی کا ماحول پیدا ہوگا۔ بلاشبہ مغرب اسے دوسرے خلیجی ممالک کے لئے خطرہ بنا کر پیش کرے گا اور ہوسکتا ہے کہ یہ خلیجی ممالک خود ہی ایسے ہی بے بنیاد خیالات کو اپنے دلوں میں جگہ دیں۔ ایسی صورت میں ایران و عراق دونوں کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں۔ انہیں نہ صرف اپنے تعلقات درست کرنے کے لئے نفرت اور شبہات کی بہت ساری دیواریں گرانی ہیں بلکہ خلیجی ممالک کو یہ یقین دلانے کے لئے کہ ان کا اتحاد کسی کے خلاف محاذ آرائی کے لئے نہیں ہے۔ بہت کچھ کرنا ہوگا۔

ایران و عراق اس ضمن میں یہ پیش کش کرسکتے ہیں کہ علاقے سے غیر ملکی فوجوں کے انخلاء کے بغیر بھی وہ خلیجی تعاون کونسل کا آنریری ممبر بننے کے لئے تیار ہیں۔ دراصل اب تک خلیجی ممالک خود ہی ان دونوں ممالک کو اپنے آپ سے دور رکھنے کی پالیسی پر گامزن رہے ہیں۔ پڑوسی سے دشمنی اقوام و افراد دونوں سے تعلقات کے معاملے میں کبھی فائدہ مند نہیں رہی ہے۔ اس لئے خلیج کے تمام ہی ممالک کو 1980ء سے شروع ہونے والے نفرت کے ماحول کو ختم کرنے کے لئے مشترکہ جدوجہد کرنی چاہئے تاکہ ان کی مستقبل کی نسلیں جنگ و جدال کے بجائے امن و سکون کے ماحول میں زندگی بسر کرسکیں۔

بقیہ چیچن میں روسی فوج

وہاں مجاہدین چھپے ہوئے ہیں اس پر روسی حملہ کرتے اور بربریت کی انتہا کردیتے ہیں۔ پہلے روسی فوجی گاؤں والوں سے ہتھیاروں کی ایک خاص تعداد کا مطالبہ کرتے ہیں اور جب وہ نہیں ملتا تو پھر قتل عام پر اتر آتے ہیں۔ 6 اپریل کو روسیوں نے سامانتی نامی ایک گاؤں کو گھیر لیا اور ان سے 264 ہتھیار جمع کرنے کا مطالبہ کیا۔ گاؤں والے پہلے ہی مجاہدین کو سمجھا بجھا کر کہیں اور جانے پر راضی کرچکے تھے۔ ظاہر ہے اس صورت میں وہ روسی مطالبہ پورا نہ کرسکے۔ چنانچہ 7 اپریل کو روسیوں نے گاؤں پر حملہ کرکے دو سو معصوموں کو ہلاک کردیا اور بڑے پیمانے پر تباہی مچائی۔ روسی اب تک درجنوں گاؤں کے ساتھ ایسی جارحیت اور بربریت کا مظاہرہ کرچکے ہیں

گروزنی اور دوسرے مقبوضہ شہروں اور قصبوں کا بھی برا حال ہے۔ جگہ جگہ روسیوں نے چیک پوائنٹ بنا رکھے ہیں جہاں چیچنیوں کو روک کر ان کی تفتیش کرتے ہیں۔ اکثر وہ لوگوں کے کندھوں اور انگلیوں کو دبا کر دیکھتے ہیں کہ اگر ان پر سوجن ہوئی تو اس کا مطلب ہوگا کہ وہ حال ہی میں بندوق یا کوئی دوسرا ہتھیار استعمال کرچکا ہے۔ ایسے تمام لوگوں کو روسی بغیر کسی عدالتی کارروائی کے فوراً ہلاک کردیتے ہیں۔ ان دردناک مظالم کے بعد روسیوں کے خلاف چیچن عوام کی نفرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس سے بسائیف کی روسی شہریوں کو یرغمال بنا کر جنگ بندی کا مطالبہ کرنے کی پالیسی کی وجہ بھی بہ آسانی سمجھ میں آجاتی ہے۔

چیچن عوام کی آزادی سے محبت ایک جہاں کو معلوم ہے۔ زاروں نے اس علاقے پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تو انہیں 1817ء سے 1864ء تک بے شمار جنگیں کرنی پڑیں۔ اسی طرح 1944ء میں اسٹالن نے چیچن عوام کی آزادی کو کچلنے کا یہ حل نکالا کہ تقریباً 8 لاکھ لوگوں کو جبراً قزاخستان بھیج دیا۔ راستے ہی میں تقریباً ڈھائی لاکھ لوگ ہلاک ہوگئے۔ باقی چھپ چھپا کر واپس آگئے اور کچھ اسٹالن کے انتقال کے بعد ہی اپنے وطن کو لوٹ سکے۔ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ چیچن عوام نے آزادی کے لئے اب تک کتنی جنگیں لڑی ہیں اور کتنی زیادہ قربانیاں دی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود دنیا کے عوام آزادی کے ان متوالوں کو روسیوں سے ان کا حق دلانے کے لئے ان پر دباؤ نہیں ڈالتے۔ مگر اس سب کی پروا کئے بغیر نہتے لیکن بہادر چیچن مجاہدین اپنی لڑائی خود لڑ رہے ہیں۔

بقیہ مرکز میں کانگریس بی جے پی

ماضی میں بھی سماجی طاقتوں کی تشکیل سے حکومتیں تشکیل پذیر ہوتی رہی ہیں۔ 1977ء تک کانگریس برہمن، مسلمان، خواتین اور ہریجنوں کے ووٹ کے بل بوتے پر حکومت بناتی رہی ہے۔ اس سماجی تشکیل سے متاثر ہوکر چودھری چرن سنگھ نے یوپی میں "اجگر" یعنی اہیر، جاٹ، گوجر اور راجپوت کا اتحاد قائم کیا تھا۔ آگے چل کر وی پی سنگھ نے اجگر کو "مجگر" بنا دیا یعنی اہیر، جاٹ، گوجر اور راجپوت کے ساتھ مسلمانوں کو بھی ملا لیا تھا۔ جنتادل کی حکومت کے خاتمے کے بعد بہار میں "مائی" یعنی مسلم اور یادو کا اتحاد قائم ہوا جو ابھی تک چل رہا ہے

اس طرح یوپی میں کانشی رام اور ملائم سنگھ نے دلتوں اور مسلمانوں کا اتحاد قائم کیا اور اس اتحاد کی حکومت اٹھارہ مہینے تک چلی۔ اب سماجی طاقتوں کی یہ تشکیل بکھر گئی ہے۔ اور نئے سرے سے اتحاد قائم ہونے والا ہے۔ عام انتخابات سے قبل کی ایک سال سے بھی کم مدت اس سلسلے میں انتہائی اہم رول ادا کرے گی۔ سبھی پارٹیاں دلتوں کو خوش کرنے میں لگی ہوئی ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ عام انتخابات سے قبل سماجی طاقتوں کی تشکیل کا یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے اور اس سے کون فائدہ اٹھاتا ہے۔

یکم جون سے بیس جون کے درمیان جو کچھ ہوا وہ اصل کھیل سے پہلے کا کھیل تھا۔ اصل کھیل تو اب شروع ہوگا۔ وزیراعظم نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ انہوں نے نہ صرف مایاوتی کو حکومت بنانے میں مدد دی بلکہ ان کے ہاتھ کو مضبوط کرتے رہیں گے تاکہ وہ حکومت چلاتی رہیں۔ راؤ نے دلتوں سے دوستی کرنے کا واضح اشارہ دیا ہے۔ اسے گورنر موتی لال وورا کے اقدامات کی روشنی میں بآسانی دیکھا جاسکتا ہے۔ بی ایس پی لیڈروں کو بھی اس کا احساس ہے اور عام انتخابات سے قبل انتخابی تال میل کرنے میں ان کے سامنے یہ صورت حال بھی رہے گی۔

اسی کے ساتھ ساتھ جنتادل اس کوشش میں

راؤ نے دلتوں سے دوستی کرنے کا واضح اشارہ دیا ہے۔ بی ایس پی لیڈروں کو بھی اس کا احساس ہے اور عام انتخابات سے قبل انتخابی تال میل کرنے میں ان کے سامنے یہ صورت حال رہے گی۔

ہے کہ وہ ملائم سنگھ کو نیشنل فرنٹ میں شامل کرکے اس کے دائرے کو وسعت دے دے۔ اگر ملائم سنگھ اس چھتری کے نیچے آجاتے ہیں تو بلاشبہ نیشنل فرنٹ اور ملائم کو بھی زبردست تقویت حاصل ہوگی۔ یہ فرنٹ یقینی طور پر کانگریس کے جم سے بڑا ہوجائے گا کیونکہ اس میں بائیں بازو کے ساتھ ساتھ آل انڈیا انا ڈی ایم کے اور جیوتی باسو کو بھی شامل کرنے کی جدوجہد چل رہی ہے۔ ادھر بی جے پی بھی یہ پیغام دینے کی کوشش کر رہی ہے کہ عام ہندوؤں کے مفادات کے پیش نظر وہ اونچی ذات کے ہندوؤں اور دلتوں کو ایک ساتھ لے کر چلنا چاہتی ہے۔ بی جے پی اپنی حکمت عملی کے تحت بی ایس پی حکومت کی حمایت کو اپنے ووٹ بینک میں تبدیل کرنا چاہتی ہے اور اس میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی ہوجائے گی۔ جہاں تک کانگریس کی بات ہے تو گرچہ اس نے مایاوتی کی حکومت بنوانے میں قابل ذکر رول انجام دیا لیکن اب اس کی کوشش وہی ہوگی جو بی جے پی نے اس وقت کیا۔ یعنی جس طرح بی جے پی نے دلت مسلم اتحاد کو توڑا ہے اسی طرح کانگریس بی جے پی۔ بی ایس پی اتحاد کو توڑنا چاہے گی۔

اب ایک بار پھر ثابت ہوگیا ہے کہ سیاست میں کوئی بھی چیز ناممکن نہیں ہے اس لئے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عام انتخابات کے بعد مرکز میں ہنگ (معلق) پارلیمنٹ بننے کی صورت میں کانگریس، بی جے پی اور بی ایس پی کا اتحاد ہوجائے اور یہ اتحاد مرکز میں اپنی حکومت بنائے۔ یہ گرچہ زیادہ قرین قیاس نہیں ہے لیکن بی جے پی بی ایس پی اتحاد کے تناظر میں اسے رد بھی نہیں کیا جاسکتا۔

انکوائری کمیشن کے چیئرمین اپنی رپورٹ میں فرماتے ہیں

بھاگل پور کا فساد "مسلم غنڈوں" نے کروایا تھا

کچھ دنوں قبل بھاگل پور فساد کی انکوائری رپورٹ جب حکومت کو پیش کی گئی تھی تو اس میں گرچہ وشو ہندو پریشد، بی جے پی، کانگریس اور انتظامیہ کو مورد الزام ٹھہرایا گیا تھا لیکن اس نے لوگوں کو چونکنے پر مجبور نہیں کیا تھا۔ کیونکہ اکثر فسادات میں یہی عناصر کلیدی رول ادا کرتے ہیں اور انکوائری رپورٹوں میں انہی لوگوں کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ لیکن گذشتہ دنوں ایک دوسری رپورٹ بھی منظر عام پر آئی ہے جو انکوائری کمیشن کے چیئرمین کی جانب سے تیار کی گئی ہے۔ یہ رپورٹ نہ صرف چونکانے والی ہے بلکہ اس نے لوگوں خصوصاً مسلمانوں کو بہت کچھ سوچنے اور شکوک و شبہات میں مبتلا ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔

پہلی رپورٹ میں جو کہ چھ سو صفحات پر مشتمل ہے اور جسے کمیشن کے دوسرے دو ممبران جسٹس (ریٹائرڈ) ایس شمس الحسن اور جسٹس (ریٹائرڈ) رام چندر پرشاد سنہا نے تیار کیا ہے۔ گیارہ فروری 1995ء کو حکومت کو پیش کی گئی تھی جبکہ دوسری رپورٹ 28 فروری کو پیش کی گئی۔ پہلے صرف ایک رکنی کمیشن تھا اور صرف جسٹس (ریٹائرڈ) رام نندن پرشاد ہی فسادات کی انکوائری کر رہے تھے لیکن بعد میں مذکورہ دو ارکان کا بھی اضافہ کر دیا گیا۔ طے یہ ہوا تھا کہ مذکورہ دونوں ممبران رپورٹ تیار کریں گے اور چیئرمین اس پر دستخط کر دیں گے لیکن جب رپورٹ چیئرمین کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے علیحدہ رپورٹ تیار کرنے کا فیصلہ کیا اور سو صفحات پر مشتمل ایک دوسری رپورٹ حکومت کو پیش کی۔

دوسری رپورٹ میں وشو ہندو پریشد، بی جے پی، کانگریس اور انتظامیہ کو بے قصور قرار دیا گیا ہے اور مسلمانوں یا رپورٹ کی زبان میں کچھ "مسلم غنڈوں" کو فساد کا ذمہ دار گردانا گیا ہے۔

جسٹس رام نندن پرشاد کا کہنا ہے کہ سابق وزیر اعلیٰ بھگوت جھا آزاد کے کچھ "مسلم غنڈوں" نے فساد کی ابتدا کی تھی۔ پہلی رپورٹ میں جہاں رام شلا پوجن کے جلوس میں شامل آر ایس ایس، بی جے پی اور وشو ہندو پریشد کے غنڈوں کو فساد کا ذمہ دار گردانا گیا ہے وہیں دوسری رپورٹ میں ان کو بے داغ چھوڑ دیا گیا ہے۔ حالانکہ چیئرمین بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ جلوس میں شامل کچھ لوگ ڈبے اور ڈنڈا بھالا لئے ہوئے تھے لیکن یہ اسے جلوس کا روایتی انداز بتاتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ قریب کے مسلم ہائی اسکول سے مسلمانوں نے جلوس پر بم سے حملہ کیا جبکہ اتنے بڑے جلوس پر بم سے حملہ کرنے کی حماقت مسلمان کیوں کرتے اور ایسی صورت میں اس جبکہ بقول چیئرمین جلوس میں شامل لوگ چاہتے تو ان تھوڑے سے مسلمانوں کو کاٹ کر پھینک سکتے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کے بم پھینکنے کے جواب میں بھی جلوس میں شامل لوگوں نے کچھ نہیں کیا۔ مسٹر پرشاد جلوس میں بی جے پی ورکرس کے شامل ہونے کی بھی تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جن دو بی جے پی کے لوگوں کا نام لیا جا رہا ہے وہ دراصل کانگریس کے سرگرم ورکر اور بھگوت جھا آزاد کے قریبی ورکر ہیں۔ یہ آزاد پر فساد کرانے کا الزام لگاتے ہیں۔ مسٹر پرشاد نے کسی پولیس افسر کا نام بھی رپورٹ میں نہیں لکھا ہے ان کا کہنا ہے کہ ایسا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ جبکہ پہلی رپورٹ میں اس وقت کے بھاگل پور کے ایس پی مسٹر ایس پی دویدی کو مورد الزام ٹھہرایا گیا ہے۔ اور بھاگل پور کے آئی جی اور ڈی آئی جی کو اپنا فرض ادا نہ کرنے کا ذمہ دار گردانا گیا ہے۔

انکوائری کمیشن کے چیئرمین کی رپورٹ کے برعکس جسٹس شمس الحسن اور جسٹس رام چندر پرشاد سنہا نے اپنی رپورٹ میں برملا وی ایچ پی اور بی جے پی کو مورد الزام ٹھہرایا ہے۔ اور کہا ہے کہ رام شلا پوجن جلوس کی آڑ میں فساد برپا کیا گیا۔ ان کا کہنا ہے کہ فساد سے قبل ہی بھاگل پور کی فضا کئی جرائم کی بناء پر زہر آلود ہو گئی تھی ایسی صورت میں رام شلا پوجن جلوس نے آگ میں تیل کا کام کیا۔ لوک سبھا انتخابات کے پیش نظر مختلف سیاسی لوگوں کی جانب سے باہر کے غنڈے بلوائے گئے تھے۔ لیکن ضلع انتظامیہ نے ان سے چشم پوشی کی۔ رپورٹ میں محرم کے جلوس اور وشاری پوجا کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور آئی جی جی۔ پی دھورے کی اس دھمکی کو بھی درج کیا گیا ہے کہ "میں یہاں کربلا بنا دوں گا" اور "ہم لوگ بھاگل پور کو میرٹھ بنا دیں گے"

پوجا سے قبل ضلع مجسٹریٹ نے ان دھمکیوں میں ایسی کسی بھی دھمکی سے انکار کیا ہے۔ پہلی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ بی جے پی نے ہندو ووٹ حاصل کرنے کے لئے حالات کو فرقہ وارانہ منافرت سے بھر دیا تھا۔

> جسٹس رام نندن پرشاد کی بیٹی بی جے پی کی ممبر پارلیامنٹ ہیں اور اس لحاظ سے ممکن ہے کہ انہوں نے بی جے پی کو خوش کرنے اور اپنی بیٹی کے سیاسی مستقبل کو مزید تابناک بنانے کے لئے اصل فسادیوں کو بری الذمہ قرار دیا ہو۔

> کمیشن کے چیئرمین پر الزام ہے کہ انہوں نے جان بوجھ کر رپورٹ میں تاخیر کی تاکہ ریاستی انتخابات پایہ تکمیل کو پہنچ جائیں۔ ان کا خیال تھا کہ اگر درمیان ہی میں رپورٹ آگئی تو اس سے بی جے پی کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ ان پر یہ بھی الزام ہے کہ چونکہ بی جے پی سے ان کے خوشگوار تعلقات ہیں اس لئے انہوں نے اپنی رپورٹ میں بی جے پی اور وشو ہندو پریشد کو بے قصور ثابت کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔

ایک گواہ مرشد انصاری کا کہنا ہے کہ چھ مہینہ قبل ان کے گاؤں میں کچھ ہندوؤں نے آکر بابری مسجد اور رام مندر سے متعلق پرجوش تقریریں کی تھیں اور کسی خاتون کی تقریر کا زہریلا کیسٹ بھی بجایا تھا جس کی بناء پر فرقہ واریت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا۔ "اکتوبر 1989ء میں فساد ہوا تھا اور اس سے قبل مارچ 1989ء میں آر ایس ایس کے اس وقت کے چیف بالا صاحب دیورس نے بھاگل پور میں ایک میٹنگ کی تھی۔ اور ہندو جذبات کو خوب بھڑکایا تھا"۔ یہ کہنا ہے سی پی آئی کے ایک گواہ بھونیشور پرشاد پربھو کا۔ فساد سے قبل چھوٹے موٹے واقعات بھی ہوتے رہے۔ گویا فساد کرانے کی پہلے سے ہی تیاری تھی۔

انکوائری کمیشن کے چیئرمین کی رپورٹ نے اس شبہے کو مزید پختہ کر دیا ہے کہ آج فرقہ واریت ملک کے تمام شعبوں میں داخل ہو گئی ہے یہاں تک کہ عدلیہ بھی اس سے محفوظ نہیں ہے۔ کمیشن کے چیئرمین پر الزام ہے کہ انہوں نے جان بوجھ کر رپورٹ میں تاخیر کی تاکہ ریاستی انتخابات پایہ تکمیل کو پہنچ جائیں۔ ان کا خیال تھا کہ اگر درمیان ہی میں رپورٹ آگئی تو اس سے بی جے پی کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ ان پر یہ بھی الزام ہے کہ چونکہ بی جے پی سے ان کے خوشگوار تعلقات ہیں اس لئے انہوں نے اپنی رپورٹ میں بی جے پی اور وشو ہندو پریشد کو بے قصور ثابت کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ یہ الزام اس لئے زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ جسٹس رام نندن پرشاد کی بیٹی بی جے پی کی ممبر پارلیمنٹ ہیں اور اس لحاظ سے ممکن ہے کہ انہوں نے بی جے پی کو خوش کرنے اور اپنی بیٹی کے سیاسی مستقبل کو مزید تابناک بنانے کے لئے اصل فسادیوں کو بری الذمہ قرار دیا ہو۔

یہ دولہا بازار ہے یہاں الگ الگ ریٹ کے دولہے بکتے ہیں

جہیز کی لعنت پورے ملک میں عام ہے۔ بالخصوص غیر مسلم معاشرہ اس کی دلدل میں گلے تک ڈوبا ہوا ہے۔ تلک کے نام پر لڑکے والوں کو لڑکی والوں کی طرف سے خطیر رقم دینی پڑتی ہے۔ جہیز کے ان گنت سامان اس کے علاوہ ہوتے ہیں۔ اب مسلم معاشرے میں بھی یہ برائی پھیلتی جا رہی ہے۔ جہیز اور تلک کی قبیح رسم مسلمانوں نے بھی اختیار کرنی شروع کر دی ہے۔ بہار میں یہ قبیح رسم تو سر چڑھ کر بول رہی ہے "ایک طرح سے لڑکے کی سودے بازی اور خرید و فروخت ہوتی ہے۔ دربھنگہ ضلع میں تو ایک دولہا بازار ہی لگتا ہے۔ جہاں دولہے کی خوبیوں خامیوں، اس کے خاندانی پس منظر اور تعلیمی لیاقت بلکہ ڈگریوں کی تعداد کے حساب سے اس کی قیمت لگائی جاتی ہے اور سودہ پٹ جانے پر شادی کر دی جاتی ہے۔

یہ بازار دربھنگہ کے مہاراجہ ہر سنگھ دیو نے تیرہویں صدی میں شروع کیا تھا۔ یہ سال میں ایک بار لگتا ہے اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ صرف برہمنوں اور کائستھوں کے لئے مخصوص ہے۔ کسی دوسری ذات کے لوگ اس بازار میں خرید و فروخت نہیں کر سکتے۔ ابھی گذشتہ دنوں یہ سالانہ بازار لگا ہوا تھا۔ بازار کے منظر کا ایک نمونہ یہ ہے کہ 26 سالہ منوج کمار جھا ایک درخت کے نیچے برائے فروخت بیٹھا ہوا ہے۔ وہ فرسٹ کلاس بی اے اور بہار حکومت کے ایک ایر ہاؤس میں دو ہزار ماہانہ پر ملازم ہے۔ اس نے اپنی قیمت دس لاکھ متعین کی ہے۔ چھ فٹ کے اس وجیہہ نوجوان کا کہنا ہے کہ اسے پاسپورٹ ویزا کا کام کرنے کے لئے پیسہ چاہئے اور وہ "باہر" بھی جانا چاہتا ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ اس کی خوبیوں کے مدنظر اسے زیادہ سے زیادہ پانچ لاکھ مل سکتے ہیں۔ لیکن وہ ابھی مایوس نہیں ہوا ہے اور دولت مند لڑکی والوں کا منتظر ہے۔

> بکاؤ لڑکے کا اس کے گھر والے محاصرہ کئے ہوئے رکھتے ہیں اگر کسی کو لڑکا پسند آجائے تو اس کا خاندانی پس منظر دیکھتے ہیں کہ آیا وہ نجیب الطرفین ہے یا نہیں۔ اس بازار میں دو لاکھ سے ایک کروڑ تک میں دولہے بکتے ہیں۔

بکاؤ لڑکے کو اس کے گھر والے محاصرہ کئے ہوئے رکھتے ہیں اگر کسی کو لڑکا پسند آجائے تو اس کا خاندانی پس منظر دیکھتے ہیں کہ آیا وہ نجیب الطرفین ہے یا نہیں۔ اس بازار میں دو لاکھ سے ایک کروڑ تک میں دولہے بکتے ہیں۔

بہار میں دولہوں کا باقاعدہ ریٹ بنا ہوا ہے۔ جیسی تعلیم، روزگار اور خاندان ہوگا اسے ویسی قیمت ملے گی۔ دولہوں کے مختلف ریٹ اس طرح ہیں۔ آفس میں چپراسی ایک لاکھ سے ڈیڑھ لاکھ، پولیس کانسٹبل یا فوج میں ملازم ڈیڑھ لاکھ، اگر ایسے لوگوں کے پاس زمین بھی ہے تو قیمت دو لاکھ سے ڈھائی لاکھ، داروغہ یا نائب داروغہ پانچ لاکھ سے دس لاکھ اور ایک ہیرو ہونڈا گاڑی، بہار حکومت میں ملازم پانچ لاکھ سے پندرہ لاکھ اور ایک کار، ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ آف پولیس دس لاکھ سے بیس لاکھ اور ایک کار، سیکنڈ لیفٹیننٹ دس لاکھ سے پندرہ لاکھ اور ایک کار، یو پی ایس سی میں کسی بھی کیڈر میں ملازم پچاس لاکھ سے ایک کروڑ اور لڑکے اس کے باپ اور دلال کو ایک ایک کار۔

اگر کوئی آئی اے ایس آفیسر ہے تو اس کی قیمت لامحدود ہے کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ لڑکی کے گھر والے اسے کیا دیں گے۔ یہی حال آئی پی ایس افسران کا بھی ہے۔ دسویں کلاس پاس کا ریٹ پچیس ہزار ہے اور اگر اس کے پاس زمین بھی ہے تو پچاس ہزار، بی اے پاس ایک لاکھ اور اگر زمین بھی ہے تو دو لاکھ سے تین لاکھ، ایم اے پاس دو لاکھ اور ایک ہیرو ہونڈا اور اگر زمین بھی ہے تو تین لاکھ، لکچرر پانچ لاکھ سے پندرہ لاکھ، اگر کوئی لکچرر ہے اور تنخواہ نہیں پا رہا ہے (بہار میں ایسا عام رواج ہے) تو دو لاکھ سے پانچ لاکھ، بمبئی دہلی یا دوسرے کسی بڑے شہر میں مزدور پچاس ہزار سے ایک لاکھ، کسی اچھی فیکٹری میں مزدور پانچ لاکھ سے پندرہ لاکھ، ریاست میں تقرر یافتہ صحافی دو لاکھ سے پانچ لاکھ اور کسی بڑے شہر میں صحافی ہے تو پانچ لاکھ اور ایک کار۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ یہ ریٹ ذات کے دولہوں کے ہوں۔ یہ ریٹ صرف میتھلی برہمن، سوتری برہمن اور کرن کائستھوں کے ہیں۔

یکساں سول کوڈ کے مسئلے پر پرسنل لا بورڈ کوئی تحریک نہیں چلائے گا

کمیٹیاں بنا کر معاملے کو لٹکانے میں بورڈ کو مہارت حاصل ہے

سپریم کورٹ کی ایک بنچ کا اپنے ایک حالیہ فیصلے میں حکومت ہند کو یکساں سول کوڈ کا مشورہ جہاں ایک طرف ہندو بنیاد پرستوں کو ایک موقع فراہم کرتا ہے وہیں مسلمانوں کا متفکر اور تشویش میں مبتلا ہونا لازمی ہے۔ مسلمان سب کچھ برداشت کرسکتا ہے لیکن دین محمدی میں مداخلت برداشت نہیں کرسکتا۔ یکساں سول کوڈ کا مشورہ بھی دین میں مداخلت کے ہی مترادف ہے۔ اس وطن عزیز میں تھوڑے تھوڑے وقفے پر کوئی نہ کوئی مسئلہ کھڑا کردیا جاتا ہے کبھی مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کی شکل میں، کبھی شاہ بانو کیس کی صورت میں۔ کبھی کچھ اور۔ تاکہ پوری امت انہی مسئلوں میں الجھی رہے اسے اپنے اصلی مسئلوں کی طرف توجہ کرنے کا موقع ہی نہ ملے۔ لیکن قربان جائیے اپنی ملی قیادت پر کہ جو ان حالات اور مسائل کا صحیح ادراک نہیں کرسکی۔ معاملے کی سنگینی اور نزاکت کو نہیں سمجھ سکی۔ درپیش مسائل کے حل کے لئے کوئی مثبت اور موثر لائحہ عمل مرتب نہیں کرسکی۔ نتیجے میں ہمیں ایسی ہزیمت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑا جو ایک مردہ اور بے جان قوم کا مقدر ہوتی ہے۔ ایسی ہزیمت کہ جس کے تصور سے انسانی وجود لرزنے لگتا ہے۔ فسادات تو ہمارا مقدر تھے ہی، ماں بہنوں کی عزت و آبرو تو لٹتی ہی رہی تھی۔ ہم اپنی عبادت گاہوں کا تحفظ بھی نہ کرسکے۔ کشمیر جل رہا ہے، دہشت گردی کے نام پر ہماری نسل کشی کا سلسلہ جاری ہے لیکن پوری ملت اسلامیہ، ہمارے سیاسی اور مذہبی رہنما اس تعلق سے بالکل خاموش ہیں۔ اور اب نتیجے کے طور پر چرار شریف بھی جلا دیا گیا۔ اور ہم کچھ نہ کرسکے۔ ان واقعات و حالات کی روشنی میں اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کتنی غیر موثر ہے اور اس کی کیا اہمیت اور حیثیت رہ گئی ہے۔ بلکہ آپ غور کریں اور حالات کا تجزیہ کریں تو اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے کہ آزادی کے بعد ہی سے ہماری قیادت مصلحت پسندی کا شکار رہی ہے اور اس مصلحت پسندی کی قیمت پوری ملت کو ہزیمت کی شکل میں چکانی پڑی ہے۔

ہاں تو بات شروع ہوئی تھی یکساں سول کوڈ کی۔ سپریم کورٹ کی کلدیپ سنگھ بنچ کے مشورے کے بعد پیدا شدہ صورت حال اور مستقبل میں اس کے اثرات کا جائزہ لینے کے لئے گذشتہ 18 جون کو مسلم پرسنل لا بورڈ کا دہلی میں اجلاس منعقد ہوا۔ پورے ملک کی نظریں اس کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ پرسنل لا بورڈ اس اہم مسئلے پر کس انداز سے اپنے رد عمل کا اظہار کرتا ہے اور مستقبل کے لئے کیا لائحہ عمل مرتب کرتا ہے۔ اور اس مسئلے کا کیا حل پیش کرتا ہے۔ ملت اسلامیہ نے بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں اس ادارے سے۔ مسلمانوں نے اسے اعتبار بھی بخشا ہے اس پر اعتماد بھی کیا ہے۔ شاید ہی

> اب یکساں سول کوڈ کے مسئلے پر بھی کمیٹیاں بنادی گئی ہیں۔ دیکھئے ماضی کی طرح اس کا انجام بھی وہی ہوتا ہے یا کوئی ٹھوس اور جامع منصوبہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئیے تھا کہ بورڈ کے اجلاس میں اس مسئلے کے تمام پہلوؤں پر غور وفکر کے بعد ایک جامع لائحہ عمل تیار کیا جاتا اور ذیلی کمیٹیاں بنا کر اس کے عملدرآمد کی ذمہ داری سونپی جاتی۔

حالات و مسائل پر رہنمائی کا دعوی بھی کرتی رہی ہے اس کی قیادت۔ بلکہ بابری مسجد کی شہادت کے بعد تو بڑے طمطراق سے زندگی کے ہر شعبے میں اس نے ملت کی قیادت کا دعوی ٹھونک دیا۔ لیکن عملی طور پر کیا ہو رہا ہے۔ یہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ 18 جون کی میٹنگ میں یہ طے کیا گیا کہ اس معاملہ میں فی الحال کوئی احتجاجی تحریک نہیں چلائی جائے گی اور ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو میمورنڈم تیار کرکے ارباب حکومت و سیاست کو پیش کرے گی اور اہل وطن کو مسلم پرسنل لا کے بارے میں باخبر کرنے کی کوشش کی جائے گی اور ایک دوسری کمیٹی بھی بنائی گئی جو سپریم کورٹ کے دیے گئے فیصلے کا جائزہ لے گی۔

> مسلم پرسنل لا بورڈ ملت کا اہم اور باوقار ادارہ ہے۔ مصلحت کوشی کو ترک کیجیے۔ حالات کی سنگینی اور حقیقت کا صحیح ادراک کیجیے۔ فراست ایمانی کو راہ دیجیے۔ بورڈ کے اعتماد اور وقار کو بحال رکھئے۔ ایسا نہ ہو کہ دھیرے دھیرے یہ اپنا اعتبار کھودے اور ہم ملت کی آرزوؤں کے مرکز سے محروم ہوجائیں۔ یہ کسی فرد کا نہیں بلکہ پوری امت کا نقصان ہوگا۔

کہا جاتا ہے کہ جب کسی معاملے کو ٹالنا ہو تو ایک کمیٹی بنادیجئے معاملہ خود بخود ٹل جائے گا۔ اب تک یہ رویہ اور انداز حکومت اور سرکاری اداروں کا رہا ہے لیکن اب اس روش کو ہمارے ملی اداروں نے بھی اپنالیا ہے۔ مابعد انہدام بورڈ کا جلسہ بڑے جوش و خروش سے ہوا اور ایک لمبی چوڑی کمیٹی بھی تشکیل دی گئی تھی کہ مسجد کی شہادت سے پیدا شدہ صورت حال سے نپٹنے کے لئے اور مسلمانوں کو مایوسی سے نکالنے کے لئے موثر لائحہ عمل مرتب کیا جائے گا۔ لیکن کیا واقعی کوئی حکمت عملی طے کی گئی؟ اس طرز عمل سے اس ادارہ کی مصلحت پسندی اور بے عملی کا اظہار ہوتا ہے۔

گذشتہ دنوں بورڈ نے ندوۃ العلماء کے مسئلے پر بھی ایسا ہی رخ اختیار کیا۔ پولیس کی چھاپہ ماری پر پوری امت مضطرب اور بے چین ہوگئی تھی اور پوری ملت اسلامیہ نے شدید رد عمل کا اظہار کیا تھا اور ایسا ہونا بھی چاہئے تھا۔ یہ ملت کا ایک عظیم سرمایہ ہے اور ہماری امیدوں اور آرزوؤں کے مراکز ہیں۔ ایک جب لیکن بورڈ نے اس مسئلے کو بھی دیکھنے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دے دی۔ اور اس نے اپنی ذمہ داری پوری کرلی۔ بورڈ کے صدر محترم بھی یہاں تو ندوہ کے مسئلے کو اجلاس میں موضوع بحث بنانا ہی نہیں چاہتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ ہمارا معاملہ ہے ہم خود دیکھ لیں گے۔ ایک طرف پوری امت اس واقعے پر مضطرب ہے اور پوری امت اسے اپنا مسئلہ سمجھتی ہے۔ ندوہ پر چھاپہ پوری ملت اسلامیہ کے وجود اور وقار پر چھاپہ کے مترادف ہے۔ اور آپ ہیں کہ اس اہم مسئلے پر بورڈ کے اجلاس میں گفتگو بھی کرنا نہیں چاہتے۔ اس طرز عمل اور رویے سے آپ کیا نتیجہ نکالیں گے؟ ایک طرف مصلحت کوشی تو دوسری طرف حکومت کے تعلق سے نرم گوشے کا اظہار ہوتا ہے۔

اب یکساں سول کوڈ کے مسئلے پر بھی کمیٹیاں بنادی گئی ہیں۔ دیکھئے ماضی کی طرح اس کا انجام بھی وہی ہوتا ہے یا کوئی ٹھوس اور جامع منصوبہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ بورڈ کے اجلاس میں اس مسئلے کے تمام پہلوؤں پر غور و فکر کے بعد ایک جامع لائحہ عمل تیار کیا جاتا اور ذیلی کمیٹیاں بنا کر اس کے عملدرآمد کی ذمہ داری سونپی جاتی۔ یہ ایک ایسا نازک مسئلہ ہے جس پر رائے عامہ کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔ امت کو ہوشیار اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ بجائے اس کے بورڈ کا یہ فیصلہ کہ فی الوقت کوئی تحریک نہیں چلائی جائے گی۔ مسئلے کی شدت اور اہمیت کو کم کردیتا ہے۔ اور سب خیریت ہے والا طرز عمل ہے۔ جمہوریت میں بیداری کی بنیادی اہمیت ہے۔ آپ تحریک چلائیں یا نہ چلائیں رائے عامہ کو بیدار رکھیں ورنہ یک بیک چلائی جانے والی تحریک اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں کرپاتی ہے اور فیل ہوکر رہ جاتی ہے۔ مسلم پرسنل لا بورڈ ملت کا اہم اور باوقار ادارہ ہے۔ مصلحت کوشی کو ترک کیجئے۔ حالات کی سنگینی اور حقیقت کا صحیح ادراک کیجئے۔ فراست ایمانی کو راہ دیجئے۔ بورڈ کے اعتماد اور وقار کو بحال رکھئے۔ ایسا نہ ہو کہ دھیرے دھیرے یہ اپنا اعتبار کھودے اور ہم ملت کی آرزوؤں کے ایک اہم مرکز سے محروم ہوجائیں۔ یہ کسی فرد کا نہیں بلکہ پوری امت کا نقصان ہوگا۔

کانگریس کے ہندو توپرست رجحان نے محمد علی جناح کو کانگریس چھوڑنے پر مجبور کیا تھا

اس ملک میں اکثریت کی خوشیوں کی تکمیل کے بغیر اقلیتیں بے حیثیت ہیں

معاصر صحافت کے اس کالم میں ہم مسلم معاملات، سیاسی حالات اور دوسرے اہم موضوعات پر معروف اہل قلم اور صحافیوں کے مضامین شائع کرتے ہیں۔ یہ مضامین ہم مختلف قومی اخبارات سے منتخب کرتے ہیں۔ ان کی اشاعت کا مقصد یہ ہے کہ قارئین دوسرے اخبار کے قلم کاروں کے نظریات و خیالات سے واقف ہو سکیں اور یہ جان سکیں کہ دوسری زبانوں کے اخبارات مذکورہ معاملات پر کیا موقف اختیار کر رہے ہیں

تحریر: راج گل

اقلیتوں کے لئے مستقبل کے امکانات پر غور کرنے کا وقت آپہنچا ہے۔ ان کے وجود کو کوئی فوری خطرہ تو لاحق نہیں ہے تاہم موجودہ سیاسی صورت حال میں ایسے اشارے ضرور شامل ہیں کہ اکثریت کی خواہش کی تکمیل کے بغیر اقلیتوں کو اس ملک میں کوئی حیثیت نہ مل پائے گی۔ یہاں اکثریت سے مراد ہندو نہیں۔ کانگریسی اکثریت مراد ہے۔ جو کہ آزادی کے بعد سے ملک کی واحد اکثریت اور قومی سیاسی جماعت رہی ہے۔ اور ملک کی سب سے زیادہ جمہوری سیاسی طاقت کی حیثیت کا دعوی کرنے والی کانگریسی قیادت کی جاگیردارانہ رعونت نے گذشتہ چند دہائیوں میں زیادہ ہی شدت اختیار کرلی ہے۔ ڈاکٹر امبیڈکر اور محمد علی جناح نے جب کانگریس کو فرقہ پرست قرار دیا تھا تو اس وقت اسے احساس محرومی سے تعبیر کیا گیا تھا لیکن ان کے مشاہدے کی حقیقت آج واضح ہورہی ہے۔

کانگریس کی کھلی ہوئی فرقہ واریت اور جاگیردارانہ زعم کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ گذشتہ تقریباً پندرہ سال سے برابر اقلیتوں، ہریجنوں اور قبائلی گروہوں کو یہ باور کرانے کی کوشش میں ہے ان کی تقدیریں کانگریس سے وابستہ ہیں۔ خود کو ملک پر حکومت کرنے کی مستحق واحد جماعت تصور کرکے کانگریسی ارباب اقتدار نے موروثی سیاسی قیادت کے سلسلے کو استحکام بخشنے کی کوشش میں اقلیتوں، ہریجنوں اور قبائلیوں کے غصب شدہ ووٹوں سے فائدہ اٹھایا اور اس حکمت عملی کی کامیابی کا اسے یقین رہا ہے۔

جمہوری خطوط اور سیاسی، سماجی اور اقتصادی میدانوں میں سب کو یکساں مواقع کی ضمانت دینے والے کسی بھی دور حکومت میں اقلیتوں کو سکو کا سانس لینا نصیب نہیں ہے۔ کتابوں اور ایوانوں میں جن اصولوں کا نام لیا جاتا ہے وہ کبھی عملی شکل اختیار نہیں کرپاتے اور جمہوریہ ہند میں اقلیتیں آج بھی دوسرے درجے کی شہری بنی ہوئی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ انہیں مختلف عنوانات سے یہ احساس دلایا جاتا رہتا ہے کہ وہ سکہ بند ہندوستانی نہیں ہیں۔

یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ اقلیتوں سے امتیازی سلوک کیوں روا رکھا جاتا ہے جب کہ اصول اور تاریخی اعتبار سے وہ اکثریت کی طرح ہی ہندوستان سے تعلق رکھتے ہیں۔ چرار شریف کا واقعہ نقش بردیوار ہے جسے اقلیتیں چاہے پڑھیں یا نہ پڑھیں لیکن اگر وہ اسے سمجھ لیں تو آئندہ جو کچھ ہونے والا ہے اس کے خطرات سے وہ خود کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ اس واقعے نے ثابت کردیا ہے کہ اقلیتوں کا وجود ملک کی سیاسی طاقتوں کے رحم و کرم پر ہے۔ مسئلہ وجود کا نہیں بلکہ سامنے آکر اپنے آئینی حقوق کا مطالبہ کرنے یا خاموشی سے ظلم سہنے کے انتخاب کا ہے۔

کیا چرار شریف کی مقدس زیارت گاہ کو نہ بچا سکنے پر کانگریس کے اظہار معذرت اور ندامت سے اقلیتیں ایک بار پھر فریب کھاجائیں گی۔ کیا اس المیے میں اپنا سب کچھ گنوا بیٹھنے والوں کے لئے اور زیارت گاہ اور آس پاس کے علاقوں کی مرمت کے لئے کانگریس کی کثیر مالی امداد کے اعلان سے ان کی آنکھیں پھر خیرہ ہوجائیں گی۔ کیا پیسے سے سماجی اخلاقی اور روحانی اعتبار سے پہنچنے والے نقصانات کی تلافی کی جاسکتی ہے۔ اس طرح ان کی خود اعتمادی، عزت نفس اور انسانی وقار کی بحالی ہرگز ممکن نہیں۔

امتیازی شان رہی ہے۔ کانگریس کے ہندو توپرست رجحان ہی نے محمد علی جناح جیسے قوم پرست رہنما کو کانگریس کے حلقے سے نکل کر مسلم لیگ میں شمولیت پر مجبور کیا تھا۔ اس رجحان نے دو دہائیوں کے دوران ہیبت ناک شکل اختیار کی ہے۔ اقلیتوں پر جب بھی اور جہاں بھی ظلم ہوتا ہے کانگریس بے نیازی کا موقف اپناتی ہے۔ اس کے دور اقتدار میں اقلیتیں ہمیشہ ظلم کا نشانہ بنی ہیں اور ہمیشہ وہ اس انتظار میں رہتی ہے کہ حالات جب قابو سے باہر ہوجائیں تبھی وہ مداخلت کرے۔

ایسا بارہا ہوا ہے کہ کانگریس نے یا تو اقلیتوں سے وعدہ خلافی کی ہے یا ان سے بدتر سلوک کیا ہے۔ گاندھی نے خلافت جیسے مذہبی معاملے سے سیاسی مفاد حاصل کرنے کی فکر میں جناح کو اپنا حریف بنالیا تھا۔ جناح مذہب اور سیاست کو یکجا کرنے کے حق میں نہیں تھے اور کانگریس بھی اسی اصول کی حامی تھی لیکن گاندھی جی معاملات کو جناح کی پسند کے مطابق طے ہوتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتے تھے آخر جناح نے کانگریس کو خیرباد کہا۔ اترپردیش میں مخلوط حکومت کے قیام کے لئے گاندھی۔ جناح معاہدے کو نہرو اور پٹیل نے یک قلم مسترد کردیا تھا۔ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ دوسری گول میز کا کیا حشر ہوا اس کی

چرار شریف کا واقعہ نقش بردیوار ہے جسے اقلیتیں چاہے پڑھیں یا نہ پڑھیں لیکن اگر وہ اسے سمجھ لیں تو آئندہ جو کچھ ہونے والا ہے اس کے خطرات سے وہ خود کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ اس واقعے نے ثابت کردیا ہے کہ اقلیتوں کا وجود ملک کی سیاسی طاقتوں کے رحم و کرم پر ہے۔

چرار شریف میں دہشت گرد لٹیروں کی موجودگی، لوگوں کو یرغمال بنالینا، آتشزنی اور جان سے مارنے کی دھمکی کے طریقے اختیار کرنا حکومت کو بروقت اقدام کرنے میں غفلت کے الزام سے بری نہیں کردیتا۔ پھر یہ سوال بھی ہے کہ حکومت ہمیشہ سانحہ ہوجانے کے بعد ہی حرکت میں کیوں آتی ہے۔

وجہ محض یہ تھی کہ گاندھی پندرہ ممبروں کے وفد کی قیادت کرنے کے بجائے کانگریس کے تنہا نمائندہ کی حیثیت سے جانا چاہتے تھے حالانکہ تمام اقلیتیں کانگریس کی حمایت میں نہیں تھیں۔ جب انہیں کانفرنس کی اقلیتی کمیٹی میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑا اس وقت بھی انہوں نے اقلیتوں کے حق میں لب جنبانی نہیں کی اس پر بھی انہوں نے دوسرے کے

اقلیتوں کو یہ سوچنا ہوگا کہ آیا وہ آئندہ بھی کانگریس کو تلخ گھونٹ کی طرح برداشت کرتے رہیں گے یا اپنی صفوں کے درمیان اور دیگر پارٹیوں کے ساتھ گروہی وابستگی اور بنیاد پرستی جیسے سوالوں سے بالاتر ہو کر دیرپا مفاہمت کی طرف قدم بڑھائیں گے۔

چاہے وہ بلیو اسٹار آپریشن ہو یا اجودھیا اور چرار شریف کا سانحہ۔ تینوں موقعوں پر حکومت کی یہ حیلہ تراشی کہ وہ مقدس مقامات کی بے حرمتی سے گریز کرنے کی بنا پر تاخیر سے اقدام کرسکی بذات خود اس احساس کا مذاق اڑاتا ہے جس کا اظہار وہ اس طرح کرنا چاہتی ہے۔ اگر فوج اور حفاظتی دستے مقدس مقامات کے اندر حادثے کے بعد جاسکتے ہیں تو اس سے پہلے بھی جاسکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب بھی اقلیتوں پر عتاب ٹوٹا ہے کانگریس پیش منظر میں رہی ہے۔ اقلیتوں سے وعدے کرکے ان کو مایوس کرنا کانگریس کی ہی

ہمراہ میمورنڈم پر دستخط کردیے اور وزیراعظم رامسے میگڈونلڈ سے فرقہ وارانہ سوال پر اپنا فیصلہ دینے کے لئے کہا۔ گاندھی پورے ہندوستان کی نمائندگی کا دعوی کرتے ہوئے "کانگریس ہی ہندوستان ہے" کی رٹ لگاتے رہے۔

اقلیتوں کو یہ سوچنا ہوگا کہ آیا وہ آئندہ بھی کانگریس کو تلخ گھونٹ کی طرح برداشت کرتے رہیں گے یا اپنی صفوں کے درمیان اور دیگر پارٹیوں کے ساتھ گروہی وابستگی اور بنیاد پرستی جیسے سوالوں سے بالاتر ہوکر دیرپا مفاہمت کی طرف قدم بڑھائیں گے۔

(انگریزی سے ترجمہ)

اسے مت پڑھئے

سانپ کے تصور سے ہم میں سے بیشتر لوگوں کو اپنے اوپر کوئی چیز رینگتی محسوس ہوتی ہوگی لیکن اسی دنیا میں ایسے بھی افراد ہیں جن کی زندگی سانپ کے بغیر شاید سونی ہوجائے۔ ان میں کوئی ایک ساتھ پچاس پونڈ کے وزن کے تین اجگروں کو اپنی گردن میں گلے کی طرح لپیٹ لیتا ہے۔ کوئی ان پر گدے دار بستر کی طرح آرام سے لیٹ جاتا ہے۔ تو کوئی ان سے بوس و کنار کئے اور کٹوائے بغیر چین کی نیند نہیں سوپاتا۔ ملتان (پاکستان) کی سترہ سالہ شہزادی زرقاء مختلف نسل کے کئی سانپوں کو ہار کی طرح گردن میں ڈال لیتی ہے۔ جو ان کے جسم اور چہرے کے لمس سے خود کو محروم نہیں رکھنا چاہتے۔ سیاہ دراز زلفوں والی یہ حسینہ آپ کے سامنے کبھی بھی دو سانپوں کو پکڑ کر ان کے سر ایک ساتھ اپنے منہ میں رکھ لے گی۔ ہمیں تو یہ لکھتے ہوئے جھرجھری سی آرہی ہے آپ کی حالت بھی کچھ ایسی ہی ہوگی۔

اس کے بعد زرقاء دوسرے کسی سانپ کو پکڑ کر اسے اپنی انگلی پر پھن مارنے پر اکساتی ہے اور وہ واقعی اسے کاٹ لیتا ہے۔ دانت لگی ہوئی جگہ سے جب خون آنے لگتا ہے تو وہ منہ سے زہر چوس کر باہر نکال دیتی ہے۔ زرقا ملتان قلعہ کے باہر رات کو سانپوں کا تماشا دکھاتی ہے۔ اس کے پاس تیس سدھائے ہوئے سانپ ہیں جس میں سے بعض انتہائی زہریلے ہیں لیکن چونکہ اس کی عمر اسی دشت کی سیاحی میں گزری ہے اس لئے سانپ کا کاٹ لینا اس کے لئے کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ اس کے والد شہزادہ احمد بخش کے بیان کے مطابق اس نے زرقاء کو سانپ کے زہر کی ایک خوراک پلادی تھی۔ بخش نے مزید بتایا کہ اس کی دیرینہ خواہش تھی کہ وہ شہزادہ بنے لیکن جب یہ خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوا تو اس نے اپنی بیٹی کو سانپوں کی شہزادی بنانے کا عزم کرلیا۔ زرقاء سانپوں کو اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتی ہے جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ایک لکڑی سے ان کے منہ کھول کر گوشت کا ٹکڑا منہ میں ٹھونس کر سانپ کے جسم کو آہستہ آہستہ دباتی ہے کہ غذا نیچے چلی جائے۔ انہیں صاف ستھرا رکھنے کے لئے وہ ان

کے جسم کی کینچلی بھی اتارتی رہتی ہے۔

زرقاء کا کہنا ہے کہ سانپ بے ضرر مخلوق ہیں جب تک انہیں ستایا نہ جائے کسی کو پریشان نہیں کرتے اور جس جانور کی نہ تو آنکھ کی پتلیاں ہوں اور نہ ہی اس کے کان ہوں تو وہ لوگوں کو کیسے نقصان پہنچا سکتا ہے۔ زرقاء نے یہ انکشاف بھی کیا کہ سانپ سے کٹوانے میں اسے بہت سرور ملتا ہے اور وہ رات کو سکون کی نیند سوتی ہے۔ سانپ کے زہر کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا تاہم اگر زہر کی زیادہ مقدار اس کے جسم میں پہنچ جاتی ہے تو وہ چوس کر اسے اگل دیتی ہے۔

کسی قصبے میں رہ کر سانپوں کا تماشا دکھانا ٹھیک تو ہے لیکن زرقاء کو اس سے بہتر تماشائیوں اور قدردانوں کی جستجو ہے۔ وہ اپنی آمدنی کا 35 فیصد کشمیر کے مظلومین کی امداد کے لئے بھیج دیتی ہے۔ وہ فلم اسٹار بننا چاہتی ہے لیکن سانپ پروری کے شوق سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں۔ سانپوں سے حد درجہ انسیت نے اسے تنہائی کی زندگی گزارنے پر مجبور کردیا ہے۔ چند سہیلیاں اور رشتے دار ہی اس کے پاس آتے جاتے ہیں۔

زرقاء نے اپنے ناخن کی خراش کے اثر سے مرجانے والے پالتو سانپوں کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ میں سانپوں کی طرح ہی زہریلی ہوں لیکن میں نے کسی انسان کو کوئی ضرر نہیں پہنچایا۔ زرقاء کو امید ہے کہ ایک دن ایسا باہمت شخص ضرور مل جائے گا جو اس کا شریک حیات بن سکے لیکن ابھی اس کی کوئی جلدی نہیں ہے۔ فی الوقت شادی میں زیادہ دلچسپی نہیں ہے کیوں کہ فلموں میں انہیں اپنا مستقبل روشن ہوتا نظر آرہا ہے۔ شہزادی زرقاء کی موزوں شریک حیات پانے کی آرزو کی تکمیل بعید از امکان تو نہیں ہے بشرطیکہ متوقع باہمت نوجوان زہر کشی میں اس سے دو چار قدم آگے ہی ہو۔

کانٹی تھرمل پاور میں گھپلے بازی

کانٹی تھرمل پاور اسٹیشن میں گزشتہ ایک سال کے اندر کوئلے کی بڑے پیمانے پر ہوئی گھپلے بازی سے الیکٹری سٹی بورڈ کو قریب چار کروڑ روپے کا نقصان ہوا ہے۔

معتبر ذرائع کے مطابق صوبہ کے بی سی سی ایل، سی سی ایل اور ای سی سی ایل جیسے کوئلے کے کانوں سے ریلوے کے ذریعے ایک معاہدے کے تحت کانٹی تھرمل پاور کو فروری 1994ء سے دسمبر 1994ء کے درمیان کل چار لاکھ اڑسٹھ ہزار چار سو اکتیس میٹرک ٹن کوئلے کی سپلائی کی گئی ہے جس کی قیمت تقریباً تیس کروڑ چوالیس لاکھ اسی ہزار روپیہ سے زیادہ کانٹی تھرمل پاور نے ادا کی ہے۔

ذرائع کے مطابق ریلوے کے ذریعے کانٹی تھرمل پاور پلانٹ کے کول یارڈ میں فروری 1994ء سے دسمبر 1994ء کے بیچ کل چار لاکھ دس ہزار سات سو ستانوے میٹرک ٹن کے آس پاس ہی کوئلہ اترا گیا جس کی قیمت تقریباً چھبیس کروڑ ستر لاکھ سترہ ہزار سات سو بتیس روپئے ہوتی ہے۔ اس طرح اس عرصے میں ستاون ہزار چھ سو چونتیس میٹرک ٹن کوئلہ ریلوے کے کوئلہ ڈھوتے والی ریکوں سے غائب ہوگیا جس کی اوسطاً قیمت تین کروڑ چوہتر لاکھ باسٹھ ہزار دو سو اٹھاسی روپئے کے اوپر بتائی گئی ہے

کانٹی تھرمل پاور انتظامیہ کا کہنا ہے کہ گذشتہ گیارہ مہینوں میں ان کانوں سے ریلوے کے ذریعے مظفر پور جنکشن ہوتے ہوئے کانٹی تھرمل پاور پلانٹ کا کپرپورہ اسٹیشن کے پاس اس کی ریکوں سے قریب 57634 میٹرک ٹن کوئلہ چوری کرلیا گیا جبکہ کانٹی تھرمل پلانٹ کے افسروں اور ٹھیکیداروں کے ذریعے تھانہ میں درج چوری کے معاملوں کے ضمن میں پولیس فائلوں میں 211 میٹرک ٹن سے زیادہ کوئلہ کی چوری نہیں دکھائی گئی ہے۔

بہرحال یہ تفتیش کا مقام ہے کہ بڑے پیمانے پر ہوئی کانٹی تھرمل پاور اسٹیشن کے کوئلے کی گھپلے بازی میں مقامی تھرمل منیجمنٹ، ریلوے پولیس کی کیا کارکردگی ہے اور انتظامیہ برسوں سے کوئلے کی اسمگلنگ سے جڑے لوگوں کے کارناموں پر لیپا پوتی کیوں کرتی آرہی ہے۔

مظہر امام تابش

برھام پور، مظفر پور (بہار)

مسلمان ایک پلیٹ فارم پر آجائیں

ہندوستانی مسلمانوں کی اخلاقی، تعلیمی، اقتصادی اور سیاسی بدحالی کے باوجود ان کا کوئی ایسا پلیٹ فارم نہیں جس کو پوری ملت اسلامیہ کی نمائندگی یا قیادت کا شرف حاصل ہو۔ قوم و ملت کے نام پر چند جماعتیں اور تنظیمیں سرگرم عمل ضرور ہیں۔ لیکن آپس میں نہ اشتراک عمل ہے اور نہ کوئی ربط و تعلق۔ حالانکہ منصوبہ بند طریقے اپنائے بغیر پوری ملت اور قوم کو یکساں فائدے پہنچانا ممکن نہیں۔

ہمارے خیال میں اگر جماعت اسلامی ہند، جمعیۃ علمائے ہند، مسلم پرسنل لا بورڈ، امارت شرعیہ اور ہمدرد ایجوکیشن بورڈ جیسی قابل اعتماد، فعال اور بڑی حد تک منظم تنظیموں کے ذمہ دار اصحاب آگے آئیں اور سر جوڑ کر بیٹھیں تو بڑی حد تک بات بن سکتی ہے۔ ایک متحدہ پلیٹ فارم سے جو عملی پروگرام پیش کیا جائے گا اس کو عوام و خواص کی حمایت ضرور حاصل ہوگی انشاء اللہ۔ شرط یہ ہے کہ خلوص کے ساتھ ہر مکتبہ فکر کے لوگوں سے تبادلہ خیال کے بعد پروگرام مرتب کیا جائے۔ ڈیڑھ ڈیڑھ اینٹ کی مسجدوں کو اپنی جگہ صحیح و سلامت رہنے دیجئے۔ ان سب کے اشتراک عمل سے ایک ایسی جامع مسجد کی تعمیر عمل میں آئے۔ جس کی اذانوں کی آواز سے ہمارے دلوں کے تار جھنجھنا اٹھیں۔ اور جس کے بلند میناروں کی روشنی سے ہمارے گھر جگمگا اٹھیں۔

ڈاکٹر احمد حسین آزاد

سکریٹری نیشنل مسلم فرنٹ، علی گنج، گیا (بہار)

حکومت ڈی ڈی اے کی ظالمانہ کاروائی کو روکے

حکومت ڈی ڈی اے کی ظالمانہ کارروائی کو روکے

گذشتہ دنوں دلی پردیش مسلم لیگ کی ایک ہنگامی میٹنگ دفتر مسلم لیگ واقع اردو بازار جامع مسجد دلی میں منعقد ہوئی۔ جس میں مندرج ذیل تجاویز اتفاق رائے سے منظور کی گئیں۔

(1) دلی پردیش مسلم لیگ تبلیغی جماعت کے امیر حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کے اچانک انتقال پر دلی صدمہ کا اظہار کرتی ہے۔ اور ان کے وارثین و ان کے دیگر لاکھوں غمگساروں کو صبر جمیل عطا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہے۔ مولانا موصوف دنیائے اسلام میں کامل مبلغ اسلام کے نام سے جانے پہچانے جاتے تھے۔

(2) دلی پردیش مسلم لیگ بھارت سرکار اور صدر جمہوریہ ہند سے مطالبہ کرتی ہے کہ کرایہ داروں کو بے دخل کرنے کے سلسلہ میں مرتب کردہ مجوزہ قانون کو منسوخ کیا جائے اور اسے قانونی شکل نہ دی جائے کیونکہ اس قانون سے لاکھوں کرایہ داروں کا مستقبل مخدوش ہوکر رہ گیا ہے۔ اور لوگ بہت زیادہ پریشان ہیں۔

(3) دلی پردیش مسلم لیگ اوکھلا اور مہرولی میں ناجائز تعمیرات کے بہانے سینکڑوں مکانوں، مزارات اور مساجد کو ڈی ڈی اے اور دلی میونسپل کارپوریشن کی جانب سے ڈھانے کی کارروائی کی سخت مذمت کرتی ہے اور بھارت سرکار سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ ان دو اداروں کی ظالمانہ کارروائیوں کو روکے اور شہریوں کا امن و چین برباد نہ کرے۔

محمد کلیم جنرل سکریٹری

اردو بازار، جامع مسجد، دہلی 6

اماموں کو سرکاری تنخواہ دینا ایک سازشی قدم

اماموں کو سرکاری تنخواہ دینا ایک سازشی قدم

قرارداد

نہضۃ العلماء کا یہ شدید احساس ہے کہ مرکزی حکومت سے ہندوستان کے ائمہ مساجد کو سرکاری مشاہرہ دینا اور اس کے لئے حکومت کی جانب سے 300 کروڑ سالانہ بجٹ مختص کیا جانا ایک سازشی قدم ہے نیز مساجد کو اس کے ذریعہ قومیانے کے لئے تیار کیا گیا ماسٹر پلان ہے۔

نہضۃ العلماء حکومت کے اس اقدام کو بدنیتی پر محمول کرتی ہے کہ بابری مسجد کی شہادت کے بعد مسلمانوں کی کانگریس سے بڑھتی ہوئی بیزاری اور حکومت کا ائمہ مساجد کے لئے یہ اقدام لوک سبھا الیکشن سے قبل مسلم رائے عامہ کو ہموار کرنے کا ایک پرفریب منصوبہ ہے جس کی ہر سطح پر مذمت کی جانی چاہئے۔

نہضۃ مرکزی حکومت کو متوجہ کرتی ہے کہ اگر اسے علماء کرام کی حالت زار پر افسوس ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اوقاف کو مستند اداروں اور قابل اعتماد علماء کرام کے حوالے کردے جس کی حیثیت آزاد اور خود مختار ادارے کی ہو نیز مدارس سے فارغین کی ڈگریوں کو تسلیم کرتے ہوئے انھیں ملازمتوں کی سہولیات فراہم کرے۔

علماء کرام کا یہ گروہ امت مسلمہ کو آگاہ کرتے ہوئے اپیل کرتا ہے کہ کفر کی بڑھتی ہوئی بالادستی اور دراندازی ہمارے ایمان کے لئے کھلا ہوا چیلنج ہے جس کا مومنانہ بصیرت اور دوراندیشی سے مقابلہ کیا جانا چاہئے۔ نہضۃ العلماء مرکزی حکومت کو متنبہ کرتی ہے کہ وہ اس گھناؤنی سازش سے باز آجائے نیز اپنی دیرینہ اسلام اور مسلم دشمنی کو ترک کردے۔

محمد محفوظ فلاحی اور دیگر ارکان

270 مین روڈ۔ ذاکر نگر، جامعہ نگر، نئی دہلی

بہار کے اسپتالوں کی ابتر حالت کے سبب

دماغی بخار نے سینکڑوں بچوں کو نگل لیا!

شمالی بہار میں دماغی بخار یا قہر خداوندی؟

شمالی بہار کے مظفر پور ضلع کے کانٹی بلاک کے کوٹھیا گاؤں سے جو جان لیوا پراسرار بیماری کی شروعات 7 جون کو ہوئی تھی اب اس نے شمالی بہار کے اکثر اضلاع کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اب تک مجموعی طور پر ایک ہزار سے زائد بچے لقمہ اجل بن چکے ہیں۔ ڈاکٹروں کی ٹیم نے اسے انسے فلائٹس یعنی دماغی بخار بتایا ہے۔

اس خطرناک بیماری میں ایک برس سے لے کر دس برس تک کے بچے عموماً طور پر مبتلا ہیں اور مرنے والوں میں بھی ان ہی بچوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اس بیماری میں پہلے بچوں کو عموماً بخار لگتا ہے پھر بخار تیز ہوجاتا ہے اور پھر مریض دھیرے دھیرے بے ہوش ہوجاتا ہے۔ کچھ مریضوں کو قے، دست اور منہ اور ناک سے خون آنے کی شکایت بھی ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ بچہ موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے

بیماری کی کوئی خاص علامت نہ ہونے کی وجہ سے ڈاکٹروں کو تشخیص و علاج میں پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ بہار کے مشہور پیتھولوجسٹ ڈاکٹر دلیپ سین کے مطابق اس بیماری کے جراثیم کی جانچ کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ شاید ہی ہندوستان میں ملیں۔ اسپتالوں میں مریضوں کی بھرمار ہے جہاں دوسری سہولیات کی بات تو الگ رہی۔ اس ہنگامی صورت حال میں ڈاکٹر بھی اپنی پرائیویٹ کلینک چھوڑ کر اسپتال آنے کے لئے آسانی سے تیار نہیں ہوتے۔ اسپتال میں دوا کی قلت اور گندگی کا ہر چہار جانب پھیلا ہوا ہونا، بجلی کے ساتھ پانی اور بلب و پنکھے کا غائب ہونا، وارڈوں میں کتوں کا چہل قدمی کرنا، ڈاکٹروں کی جگہ صرف نرسوں کا ڈیوٹی کرنا اور دیگر عملے کی بے حسی اور غیر ذمہ دارانہ رویہ شاید کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اور نہ یہ حیرت کا پہلو ہے۔ یہ حال بہار کے تمام اسپتالوں کا ہے۔

گذشتہ دنوں ریاستی وزیر صحت ڈاکٹر مہابیر پرشاد اور دیہی ترقی کے وزیر رمئی رام نے شری کرشن میڈیکل کالج اسپتال مظفر پور کا دورہ کیا اور رمئی رام نے ایک ہزار روپے کی دوا مریضوں میں

تقسیم کی۔ برسات شروع ہونے کی وجہ سے حالات اور بھی بدتر ہوتے جارہے ہیں۔ سرکار مرکزی ٹیموں اور ماہرین کو بلاکر اور اس کی خبر اخباروں میں چھپواکر اپنا فرض پورا کر رہی ہے، جبکہ دوسری طرف ڈی۔ ڈی ٹی کا چھڑکاؤ بھی نہیں ہورہا ہے۔

ترہت کمشنری کے کمشنر لے کے دشواس نے مظفر پور ضلع میں ابھی تک مرنے والوں کی تعداد چار سو کے قریب بتائی ہے جبکہ غیر سرکاری ذرائع مرنے والوں کی تعداد چار سو سے زائد بتاتے ہیں۔ آس پاس بھی بیماری پھیلتی جارہی ہے۔

سسرام ضلع انتظامیہ نے بھی اپنے یہاں اس مرض کے پھیلنے اور اس سے پچیس افراد کے لقمہ اجل بننے کی تصدیق کی ہے۔ جبکہ روہتاس ضلع انتظامیہ نے اپنے یہاں مرنے والوں کی تعداد ایک سو چالیس بتائی ہے۔ مدھوبنی ضلع میں چار افراد کے مرنے کی خبر ہے۔

مذکورہ اعداد و شمار تو وہ ہیں جن کا ذکر سرکاری اسپتالوں کے رجسٹروں میں ہے۔ لیکن اس سے کئی گنا زیادہ ان مرنے والے معصوموں کی تعداد ہے جو پرائیویٹ اسپتالوں، نرسنگ ہوم اور پرائیویٹ کلینکوں میں دم توڑ رہے ہیں۔ یا پھر غربت و افلاس کی وجہ سے اپنے گھروں میں ہی موت کی آغوش میں جارہے ہیں۔ جس کی فہرست نہ تو بہار سرکار کے پاس ہے اور نہ ضلع انتظامیہ کے پاس۔

سول سروسز کے امتحان میں محمد ابوبکر صدیق کی دوسری پوزیشن

یونین پبلک سروس کمیشن نے آل انڈیا سول سروسز کے امتحانات منعقدہ دسمبر 1994ء اور جنوری 1995ء کے نتائج کا اعلان کردیا ہے۔ 703 امیدواروں نے مقابلہ کے ان امتحانات میں کامیابی حاصل کی ہے جن میں 22 مسلمان ہیں۔ کامیاب امیدواروں میں پہلا مقام حاصل کرنے والے آشوتوش جندل ہیں دوسرا مقام محمد ابوبکر

محمد ابوبکر صدیق

صدیق نے حاصل کیا ہے۔ تیسرے مقام پر شمبھو کمارن ہیں۔ کامیاب ہونے والے امیدواروں میں اقوام مندرجہ فہرست کے 122 اور اقوام مندرجہ قبائل کے 61 امیدوار شامل ہیں لیکن سب سے اہم اور قابل ذکر بات 703 کامیاب امیدواروں میں او بی سی سے تعلق رکھنے والے 203 امیدواروں کے نام ہیں۔ سول سروسز کے یہ نتائج منڈل کمیشن کی سفارشات پر عمل کے بعد پہلے نتائج ہیں۔ سپریم کورٹ نے 1993ء میں منڈل کمیشن کی سفارشات کے نفاذ کے خلاف درخواستوں کو مسترد کرتے ہوئے سرکاری ملازمتوں میں ریزرویشن کا یہ فارمولہ طے کردیا تھا کہ ریزرو اسامیاں پچاس فیصد سے زیادہ نہیں ہوں گی۔

اس مرتبہ کامیاب ہونے والے امیدواروں میں مسلمانوں کی تعداد 22 ہے۔ گذشتہ کئی برسوں سے تقریباً اتنے ہی مسلم امیدوار کامیاب ہورہے ہیں لیکن اس سال قابل ذکر بات یہ ہے کہ ایک مسلم امیدوار نے 703 امیدواروں میں دوسرا مقام حاصل کیا اور پہلے 30 کامیاب امیدواروں میں چار مسلمان امیدوار بھی شامل ہیں۔ امیدواروں کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) محمد ابوبکر صدیق (2) خلیل احمد (3) محمد عارض احمد (4) محمد سجاد حسین (5) محمد فیاض فاروقی (6) محمد مصطفی (7) اعجاز الدین (8) حمیم احمد (9) جاوید شمیم (10) مظفر الدین ابدالی (11) تنویر قمر محمد (12) عطاء الرحمان (13) پی شکیل احمد (14) سلطان احمد (15) ندیم انور (16) فیروز ضیاء حسین (17) محمد طارق کلیم (18) نسیم عرشی (19) محمد صغیر (20) محمد محسن (21) حنیف قریشی (22) افتخار بیگ

دو کامیاب امیدواروں کے نام آر ڈی ناظم اور صوفیہ داہیا ہیں۔ یہ دونوں بھی مسلمان ہوسکتے ہیں۔

اگر آپ اپنے شوہر کی ٹوہ میں رہیں گی تو.........

آپ کی ازدواجی زندگی میں گھن لگ جائے گا

بعض شوہروں کو یہ شکایت رہتی ہے کہ ان کی بیویاں ہر وقت ان کی باتوں پر کان لگائے رہتی ہیں ان کی نقل و حرکت پر نظر رکھتی ہیں۔ کہاں گئے، کس سے ملے کیا کھایا پیا، یہ قمیص پر بال کیسے لپٹا ہوا ہے۔ ان سب باتوں کی سن گن لیتی رہتی ہیں۔ جاسوسوں کی طرح جیبیں ٹٹولتی رہتی ہیں گویا کہ کوئی چیز ان سے چھپاکر رکھی ہوئی ہو۔ اس پر دونوں میں اکثر تکرار بھی ہوتی رہتی ہے اور نوبت چیخ پکار، مارپیٹ تک بھی پہنچ جاتی ہے۔

خواتین کو اس کا اعتراف ہے کہ ایسی بھی عورتیں ہوتی ہیں جو اپنے شوہروں کی بلاوجہ ٹوہ میں رہتی ہیں اور اس کا سبب نفسیاتی کشمکش ہے جو انہیں اس حرکت پر اکساتی رہتی ہے۔ عورتوں میں جاسوسی کی جبلت کی موجودگی کا اعتراف کرنے والی خواتین کا ایک حلقہ ایسا ہے جس کے خیال میں شوہر کے ساتھ بعض بیویوں کے جاسوسانہ رویے کا اہم سبب شک ہے تاہم یہ طریقہ بہت معیوب ہے اور اس کے نتائج منفی صورت میں ہی سامنے آتے ہیں بلکہ ان نتائج سے ناقابل بیان الجھنیں اور پریشانیاں بھی ازدواجی زندگی میں پیدا ہونے لگتی ہیں۔ دوسری جانب خواتین کے ایک اور حلقے کا کہنا ہے کہ بعض شوہروں کی بیویوں کے ساتھ بدمعاملگی بھی بیویوں کو ان کی طرف سے شکوک میں مبتلا کردیتی ہے جس کی بناء پر وہ شوہر کی چلت پھرت پر مشکوک انداز میں نگاہ رکھتی ہیں لیکن ایسا نہیں ہے کہ یہ کوئی لاینحل مسئلہ ہے۔ سمجھا بجھا کر اور عواقب سے آگاہ کرکے عورت کو راہ راست پر لایا جاسکتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ تجسس کی یہ عادت بہت بری ہے اور عورتوں کے اس عادت کو اختیار کرنے کے بنیادی مقاصد خواہ کچھ بھی ہوں اس کی مضرت سے انکار ممکن نہیں۔ اس طرح عورت شوہر کی نگاہوں میں احترام کھو بیٹھتی ہے اور سب سے اہم بات یہ کہ زوجین کا ایک دوسرے پر سے اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جب شوہر پر اس کی جاسوسی اور جھوٹ کا بھانڈا پھوٹ جاتا ہے اور مارپیٹ کی نوبت آجاتی ہے تو یہ بات واقعی کسی قدر تکلیف دہ ہے لہذا ایسی قبیح عادت کو اختیار ہی کیوں کیا جائے۔

> بیوی کی بے غیرتی اور حد سے تجاوز کرجانے اور زندگی کو عذاب بنادینے کی بناء پر ازدواجی زندگی جل کر راکھ ہوجاتی ہے کیوں کہ تجسس شک کو بڑھاوا دیتا ہے یہاں تک کہ ہر لفظ، ہر عمل پر وہم کا منحوس سایہ منڈلانے لگتا ہے۔

بعض خواتین اس موضوع کو دوسرے زاویہ نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ مردوں کے تجسس میں رہنے والی عورتوں کے مسئلے میں فطرت انسانی کو زیادہ دخل ہے۔ یعنی بحیثیت عورت کے تو اس کی یہ حرکت فطری ہے لیکن ماں اور نسل ساز فرد کی حیثیت سے اس کا اس عادت سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔ اگر وہ اپنے نفس پر قابو رکھے، اپنے گھر کے معاملات درست رکھے اور شوہر کے حقوق کو ملحوظ رکھے تو وہ کسی بھی مشکل صورت حال سے محفوظ رہ سکتی ہے۔

بیوی کی حیثیت سے زیادہ تر خواتین نے اس عادت کی مذمت کی ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ اس سے ازدواجی زندگی عذاب بن کر رہ جاتی ہے۔ اس کا حل یہی ہوسکتا ہے کہ ایک دوسرے کے تئیں شکوک و شبہات کو تقویت دینے کے بجائے دل میں جو بات ہو وہ کہہ دی جائے تاکہ اس کی وضاحت ممکن ہوسکے

تجسس کی یہ مذموم عادت شوہر اور بیوی کے درمیان نفاق پیدا کرتی ہے۔ ایسی صورت میں بیوی شوہر کی موجودگی میں کچھ تو عدم موجودگی میں کچھ اور ہوتی ہے یعنی اس کے بارے میں وسوسے دل میں لاتی رہتی ہے۔ ایسی بیوی کو چاہئے کہ نفاق و فریب کے موقف کو ترک کرکے گفتگو اور تفاہم کا راستہ اختیار کرے۔

تجسس کا رجحان کسی کے خلاف بدگمانی کے نتیجے میں بھی پیدا ہوتا ہے اور اس کی سخت ممانعت آئی ہے۔ لوگوں کی باتوں کی ٹوہ میں رہنا بھی ناپسندیدہ عمل ہے۔ خصوصا بیوی کا اپنے شوہر کی مفروضہ خفیہ باتوں پر کان اور دھیان رکھنے کے نتائج تو بہت ہی خراب نکلتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ دونوں کے درمیان باہمی محبت و انس ختم ہوجاتا ہے، ہمہ وقت کشیدگی رہتی ہے اور زندگی جہنم بن جاتی ہے۔

بیوی کی بے غیرتی اور حد سے تجاوز کرجانے اور زندگی کو عذاب بنادینے کی بناء پر ازدواجی زندگی جل کر راکھ ہوجاتی ہے کیونکہ تجسس شک کو بڑھاوا دیتا ہے یہاں تک کہ ہر لفظ، ہر عمل پر وہم کا منحوس سایہ منڈلانے لگتا ہے۔

عورت پر سے اعتبار اٹھ جانے کی وجہ سے شوہر بیوی سے نفرت کرنے لگتا ہے بلکہ اکثر اس کے اندر بغض و عناد کا عنصر سر ابھارتا ہے اور عملا وہی کردکھاتا ہے جن باتوں کا اس کی طرف سے عورت کو شک ہوتا ہے اور اعلانیہ طور پر للکار کر کہتا ہے کہ وہ وہی کرے گا جو اس کا جی چاہے گا بلکہ ایسے کام کرے گا جس سے اس کا اور جی جلے۔

عورت کو چاہئے کہ شک اور تجسس میں مبتلا ہوکر خود کو مصیبت میں نہ ڈالے اور چند اہم باتوں کو ذہن نشیں رکھے:

1۔ مسلمان کے تئیں حسن ظن رکھنا معاشرت کی بنیاد ہے۔ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے قول سے یہ سبق لینا چاہئے کہ مسلمان بھائی کے منہ سے نکلے ہوئے لفظ سے خیر کی توقع رکھو۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک موقع پر کہا کہ اپنے بھائیوں کو ان کے تمام اوصاف کے ساتھ برداشت کرو اسی طرح جیسے تم چاہتے ہو کہ وہ تمہیں تمہارے تمام اوصاف کے ساتھ برداشت کریں۔

2۔ اسلامی طریقے سے بھٹک جانے والے مسلمان کی پردہ پوشی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ اس کی پردہ پوشی دنیا میں بھی کرتا ہے اور آخرت میں بھی۔ چاہے واضح طور پر معصیت کا مرتکب ہی کیوں نہ ہوا ہو چہ جائیکہ کسی ایسے شخص کی عیب جوئی کی جائے جس کے بارے میں کوئی بات محض شک اور غلط فہمی کی ہی حد میں ہو۔

3۔ ایک مسلمان کو حق ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کی غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے اصلاح کی نیت سے اسے نصیحت کرے لیکن اس کا طریقہ خوش خلقی اور ہمدردی سے خالی نہیں ہونا چاہئے۔ اسے یہ احساس دلایا جائے کہ اس کے کسی غلط رویے کے کیا نتائج خاندان یا معاشرتی زندگی پر مرتب ہوسکتے ہیں۔

4۔ زوجین میں غلط فہمی اور شک کو رفع کرنے کے لئے بیوی کو چاہئے کہ اپنے عزیزوں میں سے کسی بردبار اور دیندار کی مدد حاصل کرے خصوصا ایسی صورت میں جب شوہر پر اس کے سمجھانے بجھانے کا کوئی اثر نہ ہو۔ یہ بات بھی یکساں طور پر اہم ہے کہ بیوی شوہر کی ضروریات کا زیادہ خیال رکھے اور افواہوں پر کان نہ دھرے۔ ——

......تو پھر ایسی شادی ناجائز ہوگی

آپ کے سوال اور ان کے فقہی جوابات

سوال:۔۔۔ اپنے شوہر کے قبول اسلام کے بعد ایک عورت نے جب اپنی حیثیت کے متعلق اس وضاحت کے ساتھ استفسار کیا کہ نہ وہ خود اور نہ ہی اس کی بیٹیاں ہی تبدیلی مذہب میں دلچسپی رکھتی ہیں تو اسے یہ بتایا گیا کہ سعودی عرب میں آپ کے شوہر کے قبول اسلام سے آپ کی حیثیت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ وطن واپسی کے بعد متعلقہ ذمہ داران کے سامنے اقرار کرنا ہوگا کہ اس کا مذہب اسلام ہے اور ذمہ داران کو اس کے بیان کو قبول کرنا ہوگا۔ یہ بیان جب تک شوہر کی طرف سے نہ ہوجائے اس وقت تک وہ ہندو ہی سمجھا جارہا ہے گا۔ یہ بیان دینے کے بعد اگر اس کا انتقال ہوجاتا ہے تو اس کی جائداد کی تقسیم اسلامی قوانین کے مطابق ہوگی۔

جواب:۔۔۔ سوال میں دی گئی تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ سائلہ نے اپنی (ہندوستانی) حکومت کے کسی شعبے یا قارئین کے سوالات کے جواب دینے والے کسی میگزین کو خط لکھا تھا۔ میگزین ایسے خطوط کسی وکیل یا قانونی مشیر کو بھیج دیتا ہے جو ایسے معاملات کی قانونی پوزیشن سے آگاہ کرتا ہے۔ تاہم ان جوابات میں کسی معاملے کے اسلامی پہلو کو مدنظر رکھا نہیں جاتا۔ اسی لئے اس کی وضاحت ضروری ہے کہ یہاں کردی جائے۔ جہاں تک بین مذہبی شادی کا تعلق ہے تو کسی مسلمان کو کتابیہ یعنی عیسائی یا یہودی عورت سے شادی کی اجازت ہے۔ اگرچہ اسلام اس طرح کے ازدواجی رشتے کو پسند تو نہیں کرتا لیکن اس کی گنجائش روا رکھتا ہے۔ کسی مسلمان عورت کو اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب کے ماننے والے مرد سے شادی کی اجازت نہیں ہے۔ مسلمان مرد کو عیسائی یا یہودی عورت کے سوا کسی دوسرے مذہب کو ماننے والی عورت سے شادی کی اجازت نہیں ہے۔

زیر نظر سوال بنیادی طور پر ایسے شادی شدہ شخص سے متعلق ہے جس نے مذہب اسلام قبول کرلیا ہے اور اس کی بیوی کی حیثیت سے متعلق ہے جو اس کی تقلید کرتے ہوئے مسلمان نہیں ہونا چاہتی۔ جواب بڑا آسان ہے۔ اگر اس شخص کی شادی عیسائی یا یہودی عورت سے ہوئی ہے تو اس رشتے پر کسی طرح کا اثر نہیں پڑے گا۔ اسے اپنی بیوی کو اطلاع دینی ہوگی کہ اس نے مذہب تبدیل کرلیا ہے اور اسے یہ بھی واضح کردینا چاہئے کہ اس کی بیوی کو مکمل آزادی ہے کہ وہ چاہے تو اسلام قبول کرے اور چاہے تو نہ کرے۔ ان کی شادی اپنی جگہ قائم رہے گی۔ اسلام تبدیلی مذہب پر کسی کو مجبور نہیں کرتا۔

پریشانی دراصل اس وقت کھڑی ہوتی ہے جب نومسلم مرد کسی اور مذہب کو ماننے والا ہو یا لامذہب ہو۔ یہ سب جانتے ہیں کہ کوئی مسلمان مرد غیر مسلم عورت سے شادی نہیں کرسکتا۔ اس طرح شادی اپنے آپ ناجائز قرار پائے گی۔ ایسی صورت میں مرد کو چاہئے کہ وہ اپنی بیوی کو سمجھائے کہ اس نے اسلام کو سچا مذہب کس بناء پر سمجھا۔ اسے چاہئے کہ اپنی بیوی کو بھی اسلام کی طرف راغب کرے۔ اس عورت پر یہ بات واضح کی جانی چاہئے کہ اگرچہ تبدیلی مذہب کے لئے اس پر دباؤ نہیں ڈالا جاسکتا لیکن اس کے قبول اسلام سے ان کی شادی پر مثبت اثر پڑے گا اور اسی طرح ان سے پیدا ہونے والے بچوں کی مذہبی حیثیت کیا ہوگی۔

اگر ان وضاحتوں اور دلیلوں کی روشنی میں عورت اسلام قبول کرنے کے لئے آمادہ ہوجاتی تو ان کی شادی ٹوٹے گی نہیں اور نہ ہی کوئی شادی کی پھر سے تقریب کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔

> اگر نومسلم شخص کی بیوی اپنے مذہب پر قائم رہنا چاہتی ہے اور اس کے بچوں میں سے کوئی بھی اس کی تقلید کرنا چاہتا ہے تو شوہر کی وفات کے بعد میراث میں سے ان کو کچھ نہیں ملے گا۔ اور نہ ہی وہ شوہر ان کی چھوڑی ہوئی میراث میں کسی چیز کا حقدار ہوگا اگر ان میں سے کوئی پہلے فوت ہوجائے۔

لیکن اگر وہ بضد ہو کہ اپنے مذہب ہی پر قائم رہے گی یعنی عیسائیت یا یہودیت کے علاوہ کسی دیگر مذہب پر تو ان کا نکاح فسخ ہوجائے گا۔ اس حالت میں عورت کو مطلقہ کی عدت کے برابر مدت کی مہلت دی جائے گی جس کے دوران وہ تبدیلی مذہب کا فیصلہ کرکے اپنی ازدواجی حیثیت کو بحال کرسکتی ہے۔ اگر یہ مدت گزر جاتی ہے اور اس کے رجحان و

بقیہ صفحہ ۱۸ پر

"سائبر اسپیس" یعنی تفریح کے نام پر فحاشی کا کاروبار

کمپیوٹر کے انٹرنیٹ پروگرام کے ذریعہ بچوں کو دوست بناکر انہیں جنسی بے راہ روی پر مائل کیا جاتا ہے

کمپیوٹر کے انٹرنیٹ پروگراموں کے ذریعے معاشرے میں عموماً اور بچوں میں خصوصاً فحاشی کے رجحانات کے پنپنے کے خطرات پر امریکی سینٹ کے ممبران کے درمیان زوردار بحثیں جاری ہیں کیونکہ اس کا ایک عالمی ذریعہ ابلاغ ہر جگہ عریانیت پھیلانے کا آلہ بن جائے گا۔ اس سلسلے میں مواصلاتی شائستگی کا قانون عنقریب ہی سینیٹ میں پیش ہونے والا ہے جو ٹیلی کمیونیکیشن بل کی ہی ایک کڑی ہے جس کی رو سے کمپیوٹر نیٹ ورک کے ذریعہ فحش مواد کی ترسیل کرنے والے پر ایک لاکھ ڈالر کے جرمانہ کے ساتھ دو سال کی سزائے قید دی جائے گی۔ بعض سینٹ ممبران کے مطابق کمپیوٹر کے تخلیق کردہ "سائبر اسپیس" باہم مربوط نیٹ ورکس کا خطرناک جنگل ہے جس میں فحش فروش پھیری لگاتے رہتے ہیں۔ اس سائبر اسپیس کو فحش عناصر سے پاک کرکے آپ اپنے بچوں کو ذہنی آلودگی سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

مذکورہ قانون کو جس حلقے کی حمایت حاصل ہونی چاہئے وہ بچوں کا حلقہ ہے جس کا نقطہ نظر ان باہوش سنیٹروں کے برعکس ہے۔ اگر آپ خود بچوں کے ساتھ بیٹھ کر سائبر اسپیس کا نظارہ کریں تو قانون سازوں کے اندیشے بے بنیاد نظر آئیں گے۔ سائبر اسپیس ہی گویا اب ان بچوں کی دنیا ہے۔ اس وقت امریکہ کے تقریباً ستر لاکھ گھروں میں آن لائن رابطہ کی سہولت حاصل ہے اور خاندانوں کی مجموعی تعداد میں 35 فیصد ایسے خاندان ہیں جن میں اٹھارہ سال سے کم عمر کے افراد موجود ہیں۔ آن لائن رابطے کی اس سہولت کی دستیابی کو دوسرے الفاظ میں ہم لاکھوں بچوں کا ایک جگہ اجتماع کہہ سکتے ہیں۔ اب کسی بچے کا آن لائن رابطہ قائم کرنا ایک ڈرم کے اندر پڑی ہوئی بہت سی مچھلیوں کا حسب منشاء شکار کرنا ہے۔

تاہم سائبر اسپیس میں بچوں کے بھٹک جانے یا غلط ہاتھوں میں پڑجانے کے امکانات بہت ہی کم ہیں کیونکہ عام زندگی کی طرح یہاں بھی بچے اس ہدایت پر عمل کرسکتے ہیں کہ کسی اجنبی کو اپنا پتہ نہ بتائیں اور ملاقات کی جگہ یا وقت کا تعین نہ کریں۔

مواصلاتی شائستگی کے قانون کے پیچھے ہوسکتا ہے لٹل ریڈ رائڈنگ ہڈ کے بھیڑیے کا خوف کارفرما ہو کیونکہ سائبر اسپیس کا شکاری بھی مختلف بھیس بدل کر گھومتا رہتا ہے فرق صرف یہ ہے کہ بھیڑیا تو دروازہ کھلا پاکر اندر آگیا تھا لیکن اس شکاری کی راہ میں کوئی دیوار اور مقفل دروازہ مانع نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ شکاری برقی تاروں کے سہارے گھر کے ہر کونے تک رسائی اور سائبر اسپیس میں بچوں کو ورغلانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ بچوں کو ڈرانے یا فحش مواد پیش کرنے کے بجائے ان سے دوستی کرکے ان کا اعتماد حاصل کرلیتا ہے اور اس طرح بچے خود ہی روبرو ملاقات کی خواہش ظاہر کرتے ہیں ایسی صورت میں جو کچھ بھی ہو اسے روکنے میں وفاقی قانون ناکام رہے گا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ آن لائن اتصال سے دوست بنانے کے قائل والدین اور بچے خود ہی اس اقلیم کے ضابطے طے کریں۔ جس ٹیکنالوجی کو بروئے کار لاکر فحش فروش دوست کا روپ دھارتا ہے وہی ٹیکنالوجی بچوں کو اس کی زد سے محفوظ رکھنے میں بھی استعمال کی جاسکتی ہے۔ سائبر اسپیس جیسے متن پر مبنی ذریعہ ابلاغ بچوں کے قبضہ میں ہر طرح کے کارڈ ہوتے ہیں وہ اپنی عمر، جنس اور جائے رہائش کی تفصیلات کو پوشیدہ رکھ سکتے ہیں۔ یہ احتیاط نہ صرف انہیں جسمانی ضرب سے محفوظ بلکہ پوری طرح آزاد رکھ سکتی ہے۔

> سائبر اسپیس کا شکاری بھی مختلف بھیس بدل کر گھومتا رہتا ہے فرق صرف یہ ہے کہ بھیڑیا تو دروازہ کھلا پاکر اندر آگیا تھا لیکن اس شکاری کی راہ میں کوئی دیوار اور مقفل دروازہ مانع نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ شکاری برقی تاروں کے سہارے گھر کے ہر کونے تک رسائی اور سائبر اسپیس میں بچوں کو ورغلانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ایسی صورت حال میں خود کو مختلف کرداروں میں پیش کرنے کے امکانات بھی بڑھ جاتے ہیں مثلاً بچے خود کو بالغ شخص کے طور پر پیش کرسکتے ہیں اور دوسری جانب کا فریق یہ سمجھے گا کہ وہ اپنے کسی ہم عمر سے مخاطب ہے۔ اس طرح بالغ اور بچے کے درمیان فرق مٹ جائے گا۔

> ایسی صورت حال میں خود کو مختلف کرداروں میں پیش کرنے کے امکانات بھی بڑھ جاتے ہیں مثلاً بچے خود کو بالغ شخص کے طور پر پیش کرسکتے ہیں اور دوسری جانب کا فرق یہ سمجھے گا کہ وہ اپنے کسی ہم عمر سے مخاطب ہے۔ اس طرح بالغ اور بچے کے درمیان فرق مٹ جائے گا۔

بالغ افراد کی مانند بچے بھی آن لائن رابطہ کے ذریعے مختلف وسائل کی تلاش میں رہتے ہیں: مثلاً مختلف موضوعات سے متعلق ادارے اور انجمنوں جیسے الیکٹرونک لائبریری اور انسائیکلوپیڈیا کے مراکز ملیں گے۔ اس تلاش و جستجو کے دوران کسی فحش پیغام سے تصادم ایسا ہے کہ ٹیلی کرتے ہوئے آپ کی لائن کسی سے ٹکرا جائے اور آپ کی گفتگو میں خلل واقع ہو۔ مثال کے طور پر آپ آن لائن رابطہ پر کسی سے فٹ بال میچ پر تبادلہ خیال کررہے ہیں اور اچانک کوئی تیسرا شخص بیچ میں آکر بے ہودہ بکواس کرنے لگے۔ جس طرح روزمرہ زندگی میں بدچلن لوگوں کو پسند نہیں کیا جاتا اسی طرح آن لائن مکالمے میں مخل ہونے والے عناصر پر بھی لعنت ہی پڑتی ہے اور عین ممکن ہے کہ ان کا آن لائن رابطہ کا کھاتہ بند کردیا جائے۔

سائبر اسپیس ٹیکنالوجی کی بدولت بار بار مخل ہونے والوں اور پریشان کرنے والوں سے نمٹا جاسکتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ مشکوک لوگوں کی طرف سے ذاتی پیغامات اور الیکٹرونک میل وصول کرنے کا سسٹم بند کردیں۔ غرضیکہ امریکی عوامی نقطہ نظر کے مطابق سائبر اسپیس مخالف سنیٹروں کی تجویز کا سائبر اسپیس فحش نگاری سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ بچوں کے لئے غیر موزوں مواد کا کافی حصہ بیشتر اسٹالوں پر نظر آتا ہے اور اسے غیر قانونی قرار نہیں دیا جاتا۔ اس لئے ایک بڑا طبقہ ایک ایسی تفریحی فضا سے خود کو محروم نہیں کرنا چاہتا جو آج دو کروڑ افراد کی دسترس میں ہے اور جس کے گھر گھر پہنچنے کے امکانات روشن ہیں۔

بقیہ فقہی سوال و جواب

وفیصلے میں کوئی تبدیلی نہیں آتی تو قطعی طور پر یہ شادی منقطع سمجھی جائے گی۔ جہاں تک بچوں کا سوال ہے تو جو ان میں سے بالغ ہیں تو انہیں اپنے باپ کا مذہب یعنی اسلام قبول کرنے کے لئے کہا جائے گا۔ یہ فیصلہ انہیں خود کرنا ہوگا اور کوئی زور زبردستی ان پر نہیں کی جائے گی۔ جو بچے بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچے ہیں وہ اپنے باپ سے وابستہ سمجھے جائیں گے اور مذہباً مسلمان تصور کئے جائیں گے۔ ایسا اس لئے ہے کہ بین مذہبی شادیوں کی صورت میں اسلامی قانون کے مطابق والدین میں سے جس فریق کا مذہب برتر ہوتا ہے اسی سے وابستہ رکھے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں اسلام پہلے مقام پر ہے۔ اس کے بعد عیسائیت آتی ہے اور پھر یہودیت اس کے بعد دوسرے مذاہب کا شمار ہوتا ہے۔

وراثت کا جہاں تک تعلق ہے تو اگر نومسلم شخص کی بیوی اپنے مذہب پر قائم رہنا چاہتی ہے اور اس کے بچوں میں سے کوئی بھی اس کی تقلید کرنا چاہتا ہے تو شوہر کی وفات کے بعد میراث میں سے ان کو کچھ نہیں ملے گا۔ اور نہ ہی وہ شوہر ان کی چھوڑی ہوئی میراث میں کسی چیز کا حقدار ہوگا اگر ان میں سے کوئی پہلے فوت ہوجائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مختلف مذاہب کو ماننے والے ایک دوسرے کی میراث میں شریک نہیں ہوتے۔ اس ضابطے کا اطلاق مختلف مذاہب کو ماننے والے تمام رشتہ داروں پر ہوتا ہے۔ اس میں کسی تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ مسلمان مرد اور عیسائی بیوی پر بھی یکساں طور پر صادق آتا ہے۔ اس لئے یہ بات یاد رہے کہ جو جواب سائلہ کو ملا ہے وہ اسلامی قانون میراث کی رو سے درست نہیں ہے

> رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مختلف مذاہب کو ماننے والے ایک دوسرے کی میراث میں شریک نہیں ہوتے۔ اس ضابطے کا اطلاق مختلف مذاہب کو ماننے والے تمام رشتہ داروں پر ہوتا ہے۔ اس میں کسی تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

سوال: — میں ایک مطلقہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میرے والد اور بیٹی اس پر متفق ہیں اور اس کے گھر والے بھی راضی ہیں لیکن والدہ متفق نہیں ہیں۔ کیا میں اپنی والدہ کی رضامندی کے بغیر اس عورت سے شادی کرلوں۔ اور ایسی صورت میں کیا میں اپنی والدہ کا نافرمان کہلاؤں گا؟

جواب: — آپ کی والدہ کا حق آپ پر بے حد ہے اور ان کا کہنا ماننا آپ پر واجب ہے۔ جس عورت سے آپ کی شادی کے لئے ماں کی مرضی نہیں ہے اس کا خیال چھوڑ دیں کیونکہ ماں کی نصیحت سے بڑھ کر کوئی اور بات نہیں ہوسکتی کیوں کہ اگر وہ نہ ہوتی تو آپ میں بعض غلط عادات پیدا ہوسکتی تھیں۔ ماں کا بدل نہیں۔ شادی کے لئے عورتیں بہت سی مل جائیں گی۔ ارشاد باری ہے کہ جس نے اللہ پر تقویٰ کیا اللہ اس کے لئے آسانی پیدا کرے گا اور اسے اتنا رزق دے گا کہ وہ شمار بھی نہ کرسکے۔ لیکن اگر آپ کی والدہ اہل دین میں سے نہیں ہیں اور جس عورت سے آپ شادی کے خواہشمند ہیں وہ اہل دین میں سے ہے تو اس صورت میں ماں کی اطاعت لازم نہیں ہے کیونکہ اطاعت کا تعلق اچھی باتوں سے ہے۔

سوال: سڑک کے حادثے میں میرے شوہر کا انتقال ہوگیا مرحوم کے بھائی نے ان کے تمام کاغذات، دستاویزات اور مال و متاع اپنے قبضہ میں کرلیا اور اب وہ مرحوم کی کمپنی سے ان کے مالی حقوق اور حادثے کے ذمہ دار فرد سے حق دیت حاصل کرنے کے بھی درپے ہے اور اس میں سے ایک پائی بھی مجھے دینے کی نیت نہیں رکھتا باوجود اس کے کہ اب میں بیوہ ہوچکی ہوں اور میں نے اپنی آدھی عمر متوفی کے ساتھ گزار دی ہے۔ ان سے میری کوئی اولاد بھی نہیں جو میرا سہارا بنے اور نہ ہی میرا کوئی اور ہے جو میری کفالت کرے۔ اس مشکل کو میں کیسے حل کروں؟

جواب: اگر کسی عورت کا شوہر فوت ہوجائے تو اسے چاہئے کہ اس گھر میں رہے جہاں وہ دونوں رہتے تھے اور بلاعذر کے وہاں سے نہ ہٹے۔ فریعہ بنت مالک رضی اللہ عنہ اپنے شوہر کی وفات کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لینے کے لئے آئیں کہ وہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ جائیں۔ جب ان کے شوہر فوت ہوئے تو وہ لوگ ایسے گھر میں رہ رہے تھے جو کافی دوری پر تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اسی گھر میں ٹھہری رہو جو تم کو ملا ہے۔ جب وحی آئے گی تو اس کے بارے میں ہم تمہیں بتائیں گے۔ فریعہ بنت مالک کا کہنا ہے کہ پھر وہ چار مہینے دس دن تک وہیں رہیں۔

جب کسی عورت کا شوہر فوت ہوجاتا ہے تو اس کا مال و متاع ورثاء کو منتقل ہوجاتا ہے اور ترکے میں سے اس کی موت کے بعد عورت کا کوئی استحقاق نہیں ہوتا۔ اور جو کچھ صاحبہ سوال نے اپنے مرحوم شوہر کے بھائی کی حرکت کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ اس نے تمام دستاویز اور مال و متاع اپنے قبضہ میں کرلیا ہے تو اسے اس بات کی طرف سے اطمینان ہونا چاہئے کہ سرکاری دستاویزات مثلاً لین دین کے معاہدے، کار کی رجسٹریشن بک اور دیگر چیزوں میں شوہر کا بھائی ورثاء کی مرضی یا ان کی جانب سے کسی کو وکیل مقرر کئے بغیر تصرف نہیں کرسکتا اور یہی بات کمپنی سے حاصل ہونے والے مال حقوق اور دیت کے بارے میں بھی صادق آتی ہے لیکن اگر انہیں ڈر ہے کہ وہ جعلسازی کرے گا تو اس پر کڑی نظر رکھ کر ان غیر قانونی تصرفات کا پردہ فاش کیا جائے تاکہ شرعی عدالت واقعی اسے سزاوار قرار دے سکے۔

اس کے علاوہ دو باتوں کی طرف خصوصی توجہ دی جائے تو بہتر ہوگا۔ اول یہ کہ خاندانی اختلافات کو خاندان کے ہی ایسے بڑے بزرگوں کی رائے مشورے سے حل کرلیا جائے جو صلح پسند ہوں اور جن کی طبیعت میں تسامح و اعتدال ہو۔ دوسرے یہ کہ شرعی عدالتوں کے دروازے مظلوموں کے لئے کھلے رہتے ہیں اگر کوئی شخص خود وہاں تک نہیں جاسکتا تو اپنے اعزاء، دوست، پڑوسی کو اپنا وکیل متعین کرسکتا ہے۔

نئی کتابیں

اسلامی بنیاد پرستی مغربی استعمار کے خلاف مسلمانوں کی تاریخی جدوجہد ہے

مصنف نے عیسائی بنیاد پرستی کا مطالعہ عرق ریزی سے اور مسلم بنیاد پرستی کا سرسری طور پر کیا ہے

> ملی ٹائمز میں تبصرے کے لئے کتاب کے دو نسخے آنا لازمی ہیں۔ تبصرے کے لئے کتابوں کے انتخاب کا حتمی فیصلہ ادارہ کرے گا البتہ وصول ہونے والی کتابوں کا اندراج ان کالموں میں ضرور ہوگا۔ (ادارہ)

دنیا کے ہر نظام سے کم از کم ایک خاص گروپ کو فائدہ پہنچتا ہے جو فطری طور پر اسے ممکن حد تک قائم رکھنا چاہتا ہے۔ تجدد یا جدیدیت (Modernism) کے علمبردار، جنہوں نے موجودہ عالمی نظام کو جنم دیا ہے، اسے ہر قیمت پر قائم رکھنا چاہتے ہیں کیونکہ اس سے انہیں بے شمار فوائد اور مراعات حاصل ہیں۔

موجودہ عالمی نظام کو یورپ و امریکہ کے دانشوروں اور سیاستدانوں نے گذشتہ دو سو سالوں میں جنم دیا ہے۔ جب تک اس نظام کی برتری قائم رہتی ہے وہ ایک مراعات یافتہ طبقہ کے طور پر باقی رہیں گے اور ہر اس کوشش کی مخالفت کریں گے جو ان کی نظر میں اس عالمی نظام کی مخالف نظر آتی ہے۔ "اسلامی بنیاد پرستی" کا ہوا بھی مغرب نے اسی لئے کھڑا کیا ہے کہ اس کا مراعات یافتہ طبقہ اسے اپنے لئے خطرناک تصور کرتا ہے۔ نیلسن کی زیر تبصرہ کتاب مغرب کے اسی مراعات یافتہ طبقہ کے اس ردعمل کو پیش کرتی ہے جو ان کی طرف سے "اسلامی بنیاد پرستی" کے خلاف سامنے آیا ہے۔ یہ کتاب دراصل جدیدیت کے علمبرداروں کی طرف سے چند آفاقی مذاہب میں "بنیاد پرستی" کے فروغ کے خلاف ایک ردعمل ہے۔

اس کتاب کی بنیادی خامی اس کی Methodology یا Approach میں ہے جو نیلسن نے پوری کتاب میں اختیار کیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ نیلسن نے ریسرچ کا یہ طریقہ "امریکی بنیاد پرستی" یا "امریکی عیسائیت میں بنیاد پرستی کے فروغ" کا مطالعہ کرنے کے دوران دریافت کیا ہے۔ بلاشبہ انہوں نے امریکہ میں رائج عیسائیت میں بنیاد پرستی کے فروغ کے اسباب و عوامل پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور اس سلسلے میں ان کا مطالعہ کافی وسیع معلوم ہوتا ہے۔

نیلسن کے خیال میں امریکی یا عیسائی بنیاد پرستی ترقی پسندی و جدیدیت اور انسان دوستی کے خلاف ہے۔ یہ بائبل کی لفظی تشریح میں یقین کرنے کے علاوہ ہر قسم کے مذہبی، تہذیبی اور سیاسی لبرلزم کے بھی خلاف ہے۔ امریکی یا عیسائی بنیاد پرستی ڈارون کے نظریہ ارتقاء کو فطری طور پر رد کرتی ہے کیونکہ یہ بائبل میں مذکور تخلیق کی کہانی سے ٹکراتا ہے۔ اسی طرح عیسائی بنیاد پرست بائبل کے تاریخی نقطہ نظر سے تنقیدی مطالعے کے بھی مخالف ہیں۔

عیسائی بنیاد پرستی کی تعریف کرنے کے بعد نیلسن نے دنیا کے دوسرے بڑے مذاہب مثلاً یہودیت، اسلام، ہندوازم، سکھ ازم اور بدھ مت کا تفصیلی مطالعہ پیش کیا ہے کہ آخر ان میں بنیاد پرستی نے کیسے جنم لیا ہے۔ انہوں نے ان مذاہب میں بنیاد پرستی کے مطالعہ کے لئے وہی طریقہ ریسرچ اختیار کیا ہے جو عیسائی بنیاد پرستی کے لئے اپنایا تھا۔ بلاشبہ دنیا کے تمام مذاہب کے "بنیاد پرستوں" میں بعض مماثلتیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن ان میں بے شمار اختلافات بھی ہیں اور کئی کے معاملے میں اسباب و عوامل بھی بالکل علیحدہ ہیں۔ دراصل ہر مذہب میں بنیاد پرستی کو جنم دینے والے سیاسی و ثقافتی، سماجی اور معاشی عوامل ایک دوسرے سے اتنے مختلف ہیں کہ انہیں ایک اکائی کے طور پر دیکھنا یا ایک اکائی کے طور پر ان کا مطالعہ کرنا خطرناک ہوگا۔

فلسطینی مظاہرین اسرائیلی فوجوں پر پتھراؤ کرتے ہوئے

> اپنی پوری تاریخ میں یہ "اسلامی بنیاد پرستی" ایک ایسی جدوجہد کے طور پر موجود رہی ہے جس نے ایک طرف تو مغربی استعمار کے خلاف کوشش کی اور دوسری طرف ایک ایسا اسلامی فرد یا سماج تشکیل دینے کی سعی کی جس کے نمونے صدر اسلام میں ملتے ہیں۔

امریکی یا عیسائی بنیاد پرستی 19ویں صدی اور بیسویں صدی کے آغاز میں عیسائیت پر جدید نظریات کی یلغار کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوئی جبکہ اسلامی بنیاد پرستی مذہب و جدیدیت کے مابین ایسی کسی کشمکش کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلاشبہ دور استعمار میں یورپ کے زیر اثر ایسے کچھ مسائل اسلامی دنیا میں ضرور ابھرے لیکن مغرب جسے اسلامی بنیاد پرستی کہتا ہے وہ دراصل مغربی استعمار اور غصب کے خلاف مسلمانوں کی تاریخی جدوجہد ہے۔ اپنی پوری تاریخ میں یہ "اسلامی بنیاد پرستی" ایک ایسی جدوجہد کے طور پر موجود رہی ہے جس نے ایک طرف تو مغربی استعمار کے خلاف کوشش کی اور دوسری طرف ایک ایسا اسلامی فرد یا سماج تشکیل دینے کی سعی کی جس کے نمونے صدر اسلام میں ملتے ہیں۔ اسلامی اور عیسائی بنیاد پرستوں کے فروغ کے اسباب و عوامل میں اس واضح اختلاف کے بعد ضروری ہوجاتا ہے کہ ان کے مطالعے کے لئے الگ الگ Methodologies اختیار کی جائیں۔

زیر تبصرہ کتاب کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی واضح ہوکر سامنے آتی ہے کہ نیلسن نے عیسائی بنیاد پرستی کا مطالعہ تو بڑی عرق ریزی سے کیا ہے جس سے ایک اچھی چیز سامنے آئی بھی ہے لیکن دوسرے مذاہب کی "بنیاد پرستوں" کے بارے میں ان کا مطالعہ سرسری اور بسا اوقات سطحی نظر آتا ہے۔ چنانچہ اسلام اور سکھ مت کے اندر بنیاد پرستی کے فروغ کے معاملے میں ان سے خاص طور سے غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔

آپ کی الجھنیں

دو سو دینار کی رقم مجھے بہت پریشان کررہی ہے، میں کیا کروں؟

> اگر آپ کسی الجھن میں مبتلا ہیں یا کسی اہم مسئلے پر فیصلہ نہ لینے کی پوزیشن میں ہیں جس سے آپ کی زندگی کا سکون درہم برہم ہوگیا ہے تو آپ فوری طور پر ہمیں اپنے مسائل سے آگاہ کریں۔ ہم اس کالم میں آپ کی نفسیاتی الجھنوں کو دور کرنے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔ (ادارہ)

سوال: ایک بار ایسا ہوا کہ تقریباً دو سو دینار کی رقم مجھے پڑی ہوئی ملی۔ میں نے وہ رقم اٹھالی اور اس سے مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ میں نے کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہونے دی اور ان پیسوں سے اپنی ضرورت کی بعض چیزیں خرید لیں۔ ایک عرصے کے بعد مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ میں نے اللہ سے توبہ کی اور جہاں وہ رقم پڑی ہوئی ملی تھی میں اس جگہ گیا۔ لوگوں سے پوچھتا پھرا کہ کیا کسی کی کوئی چیز گم تو نہیں ہوگئی ہے لیکن آج تک ایسا کوئی آدمی نہیں ملا جو آکر یہ کہے کہ ہاں میری چیز کھوئی تھی اور اس کی یہ نشانیاں ہیں اس لئے میں ہی اس کا مالک ہوں۔ مجھے اب یہ سوچ کر حیرت ہوتی ہے کہ میں نے کتنی بڑی غلطی کی اور گناہ کے احساس سے بے پناہ کلفت مجھے ہوتی ہے۔ اس مشکل کا کوئی حل تجویز فرمائیں؟

جواب: جیسا کہ ہم جانتے ہیں مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ایک بھائی دوسرے بھائی کے مال کی حفاظت کرتا ہے اور دوسرے کے لئے وہی چیز اور بات پسند کرتا ہے جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان دیکھے کہ اس کے بھائی کا مال ضائع ہورہا ہے تو مستحسن یہی ہے کہ اسے اپنی تحویل میں لے کر جہاں صاحب مال کی موجودگی کا امکان ہو ان جگہوں پر اطلاع کردے مثال کے طور پر جہاں وہ چیز پڑی ہوئی ملی اس کے قریبی بازار اور آس پاس کی آبادی میں اعلان کردے اس کے ساتھ وہ متعلقہ ذمہ داران کو بھی مطلع کردے اور اخبار یا ٹیلی ویژن کے ذریعے بھی منادی کروادے کہ پڑا ہوا مال کہیں ملا ہے۔ لہٰذا جب اس کے مالک ہونے کا کوئی دعویدار اس کے پاس آئے تو وہ چیز یا رقم کی مقدار اور اس کی کوئی نشانی وغیرہ دریافت کرکے اور اس کے بیان کی تصدیق کرکے درست ہونے کی صورت میں اسے واپس کردے۔ زید بن خالد الجہنی سے روایت ہے کہ کسی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ سونا اور چاندی اگر پڑا ہوا ملے تو اس کا کیا حکم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی تھیلی اور گرہ وغیرہ کو اچھی طرح پہچان لو۔ پھر ایک سال تک لوگوں میں اس کا ذکر کرتے رہو۔ پس اگر کوئی دعویدار اس کا نہیں ملتا تو اسے تم خرچ کرسکتے ہو۔ لیکن ایک بات کا خیال رہے کہ جب بھی اس کا کوئی دعویدار آئے گا تو اس کی مساوی قیمت لوٹانی پڑے گی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب گمشدہ اونٹ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ جو کچھ تم نے اسے کھلایا پلایا اور جو کچھ سازوسامان اس کے اوپر ہے اس کے ساتھ اونٹ کو چھوڑ دو۔ اس کے اوپر کجاوہ ہوسکتا ہے اور وہ گھاس اور پتے بھی کھاسکے گا حتیٰ کہ اس کا مالک اسے ڈھونڈ نکالے۔ اور جب کھوئی ہوئی بکری کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے لے لو۔ بکری یا تو تمہاری ہے یا تمہارے بھائی کی ہے اور یا پھر بھیڑیے کی ہے۔

> اور جب کھوئی بکری کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے لے لو۔ بکری یا تو تمہاری ہے یا تمہارے بھائی کی ہے اور یا پھر بھیڑیے کی ہے۔ پڑی ہوئی اور کھوئی چیز کو اٹھا کر اپنے استعمال میں لینا اور اس سے انکار کرنا حرام ہے کیونکہ مومنین اور مومنات ایک دوسرے کے ولی ہیں اور اس صورت میں ایک دوسرے کے مال کی حفاظت بھی ان پر واجب ہے۔

اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑی ہوئی چیزوں کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں: 1) جس کے تلف ہونے اور فوت ہوجانے کا اندیشہ نہ ہو مثلاً بھٹکا ہوا اونٹ جس تک اس کا مالک پہنچ ہی جاتا ہے۔ دوسری قسم ان چیزوں کی ہے جو تلف اور ہلاک ہونے والی ہیں مثلاً بھیڑ بکری۔ تو وہ جس کسی کو ملیں اسے اختیار ہے کہ چاہے بیچ کر قیمت اپنے پاس محفوظ رکھے یا کھالے یا اسے پالے اور اس کی نگہداشت کرے اور اس طرح اس کے حق میں بہتر سے بہتر سلوک اختیار کرے۔ تو جب اس کا مالک مل جائے تو اگر وہ بھیڑ یا بکری استعمال میں آچکی ہے یا فروخت کی جاچکی ہے تو اس کی قیمت اسے دے دے۔ اور اگر وہ موجود ہے تو وہ اس کے حوالے کردے اور جو کچھ اس جانور کی نگہداشت اور کھلائی پر خرچ ہوا ہے اس سے وصول کرلے۔

پڑی ہوئی اور کھوئی ہوئی چیز کو اٹھا کر اپنے استعمال میں لینا اور اس سے انکار کرنا حرام ہے کیونکہ مومنین اور مومنات ایک دوسرے کے ولی ہیں اور اس صورت میں ایک دوسرے کے مال کی حفاظت بھی ان پر واجب ہے۔

سائل سے بہت بڑا گناہ سرزد ہوا ہے ایک تو کسی مسلمان کے گمشدہ مال کا اعلان نہ کرنا اور بغیر حق کے اسے اپنے استعمال میں لانا۔ تاہم چونکہ وہ اپنے کئے پر نادم ہے اور توبہ کرلی ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ندامت کو توبہ کے برابر کا درجہ بخشا ہے۔ اس شخص کو چاہئے کہ مذکورہ مال کے مالک کو تلاش کرنے کی کوشش کرے۔ اس کے باوجود مالک نہ ملے تو اتنی رقم وہ مالک کی طرف سے صدقہ کردے اور اس کے بعد اگر کوئی شخص آئے اور خود کو اس مال کا مالک ثابت کردے تو وہ اسے بتائے کہ وہ رقم اس نے صدقہ کردی۔ اگر وہ اس سے مطمئن ہوجائے تو ٹھیک ہے اور اگر اس سے تاوان وصول کرے تو اس توبہ کرنے والے شخص کو صدقے کا ثواب ملے گا۔

Invitation Price Rs. 4/-
16 - 31 JULY, 1995

The Milli Times International
(India's first International Urdu Weekly)
49, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025 Phone:6827018

R.N.I. No. 57337/94
RGD. DL No.-16036/95

احساس محرومی

گل محمد نے جب پہلی (اور شاید آخری) بار تاج محل کو دیکھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ فوٹو گرافر نے تصویر لیتے وقت جب ان سے مسکرانے کو کہا تو وہ مسکرا تو دیے لیکن شاید فوٹو گرافر یہ اندازہ نہیں لگا سکا کہ گل محمد کی مسکراہٹ کے پیچھے کرب انگیز جذبے اور احساس محرومی کی کون سی چبھن پوشیدہ ہے۔ تاج محل دنیا کا ساتواں عجوبہ اور گل محمد دنیا کے سب سے پستہ قد شخص ہیں۔ تاج اور گل انسانی ہاتھوں کی کاریگری اور خدا کی قدرت کا جیتا جاگتا نمونہ ہیں۔ زیر نظر تصویر میں تاج اور گل کے درمیان دریائے جمنا حائل ہے لیکن جمنا کے ساکت پانی میں تاج کا عکس گل محمد کے قدموں میں جھک کر ان کی آمد کا شکریہ ادا کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

تاج کو دیکھ کر گل محمد کے دل میں جذبات کا جو طوفان برپا ہوا اس کی جھلک فطری طور پر ان کی آنکھوں میں آ گئی۔ شاید انہوں نے یہ سوچا کہ انسانی ہاتھوں کی کاریگری پر ایک عالم فدا ہے لیکن خدا کی قدرت کا یہ جیتا جاگتا شاہکار بے بس و لاچار زندگی جینے پر مجبور ہے۔ عالمی ریکارڈ کی کتاب میں ان کا نام درج ہونے پر حکومت فخر تو کرتی ہے لیکن ان کی زندگی سے احساس محرومی کے نقوش کو مٹانے کی کوئی کوشش نہیں کرتی۔ شاید ان کی آنکھوں میں دنیا کے طویل القامت شخص پاکستان کے عالم چنا کی شبیہ بھی گھوم گئی ہو جن کو پاکستانی حکومت اپنا قومی سرمایہ سمجھ کر ان کے دکھ سکھ کا خیال رکھتی ہے جنہیں حکومت کی طرف سے زندگی کی تمام بہتر سہولتیں اور آسائش کی تمام چیزیں میسر ہیں لیکن گل محمد بیڑی سگریٹ اور دیا سلائی کا معمولی سا کھوکھا لگا کر گزر اوقات کرنے پر مجبور ہیں۔ عالم چنا جہاں حکومت کی طرف سے اسپیشل طریقے سے بنوائی گئی کار میں گھومتے اور بہترین فلیٹ میں رہتے ہیں وہیں گل محمد دہلی کے جامع مسجد اور بلیماران کی تنگ و تاریک گلیوں میں زندگی بسر کرنے پر مجبور اور اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لئے زندگی کی کڑوی حقیقتوں سے دست و گریباں ہیں وہ اپنے معمولی سے وجود کو اپنے نازک و ناتواں پیروں پر سنبھالے ہوئے بدقت تمام چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔

گل محمد کا وجود جتنا مختصر ہے ان کی پریشانیوں کا حجم اتنا ہی بڑا ہے۔ حکومت کو نہ تو ان کے مسائل سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ ہی کوئی فکر۔ نہ ان کی گرتی ہوئی صحت کا خیال ہے اور نہ ہی کوئی سماجی تنظیم ان کی کفالت کی ذمہ داری لینے کو تیار ہے۔ وہ بیمار ہو جائیں تو انہیں اسپتال میں داخل کروا کر ان کی تصویر اخبارات میں چھپوا دی جاتی ہے۔ شاید اس سے یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ حکومت کو ان کی صحت و تندرستی کی بہت فکر ہے۔ لیکن سچائی تو گل محمد کی ویران آنکھوں میں آسانی سے پڑھی جا سکتی ہے گل کو اس کا احساس تو ہے لیکن انہوں نے کبھی کوئی شکایت نہیں کی۔ انہیں تو اللہ کی ذات پر بھروسہ ہے۔ البتہ کبھی کبھی ان کی آنکھیں حکومت کی سرد مہری اور بے توجہی کی شاکی ضرور نظر آتی ہیں اور ان کی آنکھوں کی گہرائیوں میں یہ سوال بھی گردش کرنے لگتا ہے کہ کیا اس بے اعتنائی کی وجہ یہ تو نہیں کہ وہ مسلمان ہیں؟